بسم اللہ الرحمن الرحیم — نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

رسالہ

اچھوتوں کی دردبھری کہانیاں

مؤلفہ
ملک فضل حسین صاحب

[illegible]
[illegible]
[illegible]

بار اول — [illegible] ۱۹۳۲ء — تعداد طبع ۱۰۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اچھوتوں کی دردبھری کہانیاں

تمہید

ڈاکٹر مونجے اور اُن کے ہمخیال بیشک یہ کہتے پھرتے ہیں کہ مسلمانوں کی امداد کے بغیر ہی سوراج لے لینگے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ وہ اگر سو سال نہیں ہزار سال بھی کوشش کر کے دیکھ لیں انہیں ہمیشہ ہی ناکامی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

وہ گورنمنٹ پر دباؤ ڈال کر دیکھ لیں۔ اپنی طاقتوں کا مظاہرہ کر کے دیکھ لیں۔ سول نافرمانی اور قانون شکنی کر کے دیکھ لیں۔ بائیکاٹ اور پکٹنگ بازی کر کے دیکھ لیں انہیں کبھی بھی کامیابی نہ ہوگی۔ سوراج ملے گا اور ضرور ملے گا مگر اُسی وقت جبکہ ملک کی طرف سے متحدہ مطالبہ ہوگا۔ اور یہ متحدہ مطالبہ اُسی وقت ممکن ہے جبکہ ملک کی ہر ایک قوم اور جماعت کی آزادی مطلوب ہوگی۔ ہر طرح کے خواہشمندوں نے جس وقت بھی تو دستانی چھوڑ دی۔ دوسروں سے نفرت کرنا ترک کر دیا۔ انہیں غلام بنا کر رکھنے کی خواہش تیاگ دی۔ سوراج بھی اسی وقت مل جائے گا۔

بھلا یہ ممکن ہے کہ خود تو یہ آزادی چاہیں مگر دوسروں کو اپنا غلام بنا کر رکھیں۔

[illegible]ج کی خواہش کریں گر دوسروں کو اپنے دباؤ میں رکھنا چاہیں
اپنے [illegible] سبھی کچھ چاہیں مگر دوسروں کو کسی حق کا مستحق ہی نہ سمجھیں ؟

ملک کو آزادی دلانے کا ذریعہ

اگر انہیں واقعی آزادی کی خواہش ہے۔ اور وہ دل سے سوراج کے متمنی ہیں تو انہیں اپنی اکثریت کا گھمنڈ دل سے نکال دینا چاہیئے دوسروں کو نفرت وحقارت کی نظروں سے دیکھنا اور انہیں ملیچھ ۔ اچھوت اور داس سمجھنا چھوڑ دینا چاہیئے ؛ ور اپنے دماغوں کو اس قسم کے خیالات سے یکسر پاک کر دینا چاہیئے کہ ملکی حقوق میں دوسروں کا کوئی حق نہیں۔

یہی نہیں بلکہ ہم تو یہ بھی کہینگے کہ اگر ہندوؤں نے مسلمانوں کے حقوق تسلیم کر لئے ۔ اور ان کے ساتھ متحد ہو کر سوراج کا مطالبہ کیا تو پھر بھی کامیابی مشکل ہے کیونکہ اکثریت وادو مسلمان بلکہ یہی سوراج کی خواہش کریں اور اسکے حصول کی خاطر اپنی تمام طاقتیں بصرف کر دیں ۔ تو بھی سوراج ہاں حقیقی سوراج نہ ملیگا کیونکہ ملک کی ایک تیسری اہم اقلیت کا خیال رکھنا بھی ضروری اور لابدی ہے ۔ اور جب تک اس کا تعاون حاصل نہ ہو کامیابی محال ہے۔

سوراج لینا ہے تو اچھوتوں کی دستگیری کرو

جہاں ہندو اکثریت کا یہ فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے حقوق تسلیم کرے وہاں ہندو اور مسلمان دونوں کو بلکہ ملک کے ان سات کروڑ باشندوں کی بھی فکر کرنا چاہیئے جو دلت اور اچھوت کہلاتے ہیں کیونکہ ملک کی ترقی اور بہبودی اسی میں ہے کہ ملک کے سبھی فرقوں اور جماعتوں کو یکساں ترقی کرنے کا موقعہ دیا جائے ۔ اور جو لوگ زیادہ پسماندہ اور تباہ حال ہیں انہیں سہارا دیکر آگے بڑھایا جائے کیونکہ جب تک ہر ایک قوم اور جماعت کو ایک سطح پر نہ لایا جائے گا ۔ اسوقت

تک حقیقی کامیابی محال ہے۔

پس جہاں یہ ضروری ہے کہ ہندو مسلمانوں کے حقوق تسلیم کریں اور انکی ترقی میں روڑے نہ اٹکائیں وہاں ہندو اور مسلمان دونوں پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ خدا کی اس سات کروڑ مخلوق کو بھی اٹھانے اور ترقی کی بلند سطح پر لانے کا جتن کریں اور انہیں اس قابل بنا دیں کہ وہ بھی ملک کی کوئی ٹھوس اور حقیقی خدمت کر سکیں۔

ملک کی دوسری اقلیتوں کو تو پھر بھی تھوڑے بہت سیاسی حقوق حاصل ہیں مگر یہ نام نہاد اچھوت تو انسانیت کے ابتدائی حقوق سے بھی محروم رکھے گئے ہیں۔ اور انہیں جس زبون حالی میں زندگی بسر کرنا پڑتی ہے اور جس قسم کے ظلم و جور اور ناقابل برداشت حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے وہ بھی تو اہالیانِ ملک سے اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ جہاں تک جلد سے جلد ممکن ہو ان کی طرف توجہ دی جائے اور ان کی موجودہ تاسف ناک حالت کو بدل دیا جائے۔

جس طرح ہندو اور مسلمانوں کو خدا نے پیدا کیا ہے اسی طرح یہ لوگ بھی اسی کی مخلوق ہیں جس طرح ہندو مسلمان اور دوسرے لوگ انسان ہیں اسی طرح یہ بھی انسان ہیں۔ انکی اور دوسروں کی انسانیت میں کوئی فرق نہیں ہے جب دوسرے انسان ہر ایک قسم کی آسائشوں، سہولتوں اور نعمتوں سے شاد کام ہوتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ان کو بھی ہر ایک قسم کی آسائش، سہولت اور نعمت سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع نہ دیا جائے؟

جب یہ بھی انسان ہیں جب یہ بھی ہندوستانی ہیں۔ جب یہ بھی مادرِ وطن کے فرزند ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ملک کی باقی قومیں تو ترقی کریں اور یہ اس سے محروم

رکھے جائیں۔ دوسروں کو تو آگے بڑھنے کے مواقع حاصل ہوں اور یہ اُن سے دُور دُور رکھے جائیں؟

اچھوت پن انسانیت کے نام پر بدنما دھبہ ہے اسلئے اسے دُور کرو

کیا ان سات کروڑ انسانوں کو ہر ایک قسم کے مجلسی، قومی اور ملکی حقوق سے محروم رکھنا ملک کے نام پر سیاہ داغ نہیں۔ انسانیت کے نام پر غلیظ دھبہ نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اُنکی طرف توجہ نہیں کیجاتی۔ اور ان کو ذلت سے نکال کر انسانیت کی اعلیٰ سطح پر نہیں لایا جاتا؟

اہالیان وطن یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ جبتک وہ ان لوگوں کی حالت درست نہیں کریں گے انکی تکلیف اور مشکلات کو دور نہ کرینگے اُسوقت تک سوراج نہیں ملے گا۔ پس جو لوگ آزادی کے خواہاں اور سوراج کے متمنی ہیں وہ سب سے پہلے انکی راہ میں حائل شدہ دقتوں اور رکاوٹوں کو دور کریں۔

اچھوتوں کی حالت زار

کس قدر رنج اور تعجب کا مقام ہے کہ جس ملک میں سات کروڑ ایسے لوگ آباد ہوں جنہیں اعلیٰ ذات کے لوگوں سے مصافحہ کرنے کی اجازت نہیں ان سے چھو جانے کی اجازت نہیں۔ جنہیں کنوؤں سے پانی لینے کی اجازت نہیں، مقدس مقامات میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں، مدرسوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں، اچھے کپڑے پہننے کی اجازت نہیں، اچھا کھانا کھانے کی اجازت نہیں، اس ملک کے باشندے گورنمنٹ سے آزادی یا سوراج کا مطالبہ کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ جب یہ سات کروڑ باشندے اپنے ہی بھائی بندوں کے ہاتھوں بہت سے حقوق سے محروم رکھے گئے ہیں تو کیا وہ سمجھتے کہ گورنمنٹ

ان کو ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دے؟

جب یہ زیر دستوں کو ان کے حقوق نہیں دیتے تو زیر دستوں سے کس بناء پر اپنے حقوق مانگتے ہیں؟ جس ملک کا محنتی طبقہ بھوکوں مر رہا ہو جس ملک کا جفاکش طبقہ پیاس سے تڑپ رہا ہو۔ جس ملک کا ایک اچھا خاصہ فریق نیم برہنگی کی حالت میں زندگی کے دن گزار رہا ہو تعلیم سے محروم ہو۔ تہذیب سے ناآشنا ہو۔ اچھے تمدن اور اعلیٰ اخلاق سے بیگانہ ہو۔ کیا اس ملک کے نمائندے گورنمنٹ پر آزادی کے لئے زور دے سکتے ہیں؟ یا وہ تباہ حال اور مصیبت کے مارے [illegible] سوراج کی تائید کر سکتے ہیں جب کہ ان کی حالت [illegible] نہیں کہ باقی ہندوستانیوں کی تائید نہیں کر سکتے بلکہ وہ ضرور اس کی مخالفت کریں گے کیونکہ انہیں جو آرام و آسائش برٹش گورنمنٹ [illegible] حاصل ہو سکتا ہے وہ اپنے بھائی ہندوؤں سے [illegible] نہیں مل سکتی۔

اچھوتوں کی طرف سے سوراج کی مخالفت

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی کثرت سے [illegible] یہ کہا گیا ہے کہ ہمیں برٹش گورنمنٹ کے بجائے [illegible] کی حکومت نہیں چاہیئے۔ خواہ وہ خالص ملکی حکومت کیوں نہ ہو۔ اور یہ کوئی خیالی بات نہیں حقیقت ہے [illegible] ہیں کہ ملک کے پسماندہ طبقہ کی طرف سے سوراج کی مخالفت ہو رہی ہے اور بار بار [illegible] کہا گیا ہے کہ ہمیں [illegible] کسی قسم کے سوراج یا ہوم رول کی ضرورت نہیں جب تک کہ اعلیٰ ذات کے لوگوں سے ہمارا اطمینان نہ کی جائے جیسا کہ ان سیاسی ناموں سے بھی ظاہر ہے جو مسٹر مانٹیگو و چیمسفورڈ کی خدمت میں اسوقت پیش کئے گئے تھے [illegible] اچھوت ہندوستان

کہ مطالبہ ہندوؤں کے متعلق ملک کی مختلف نمائندہ جماعتوں کے افکار و خیالات معلوم کرنے کے بعد مناسب اصلاحات کی سفارش کرنیوالے ہیں۔

اچھوتوں کے سیاسی ناموں میں سوراج کی مخالفت

احاطہ مدراس کے اچھوتوں کی ایک انجمن جس کا نام "پنچامہ کلوی ابیورتھی ابھیما ناسنگا" ہے۔ اس نے اپنے ایڈریس میں یہ کہا تھا کہ ہماری جماعت

"جو سیاسی تبدیلی کی مذمت کرتی ہے اور صرف یہ چاہتی ہے کہ برٹش [illegible] سے اسکی حفاظت کی جائے جس کا مقصد حکومت میں مزید ذمہ داری حاصل کرنا ہے ویسا ہی ہے جیسا کہ اس کا [illegible] تھا جو ان پنڈتوں کی حوالی کرنا چاہتا تھا"

پھر "مدراس آدی دراوید [illegible]" نے اپنے سپاسنامہ میں یہ لکھا تھا کہ

"ہم سوراجیہ کے سخت مخالف ہیں۔ اگر اختیارات [illegible] برطانیہ سے [illegible] تمام تر ذات والے ہندوؤں کے ہاتھوں میں دینے کی کوشش کی گئی تو ہم اپنے خون کے آخری قطرہ تک ان کے خلاف جنگ کریں گے۔ ان ہندوؤں نے ہمارے ساتھ گذشتہ زمانہ میں بہت خراب سلوک روا رکھا ہے۔ اور اگر برطانوی فوجوں کی حفاظت اٹھ گئی تو لوگ پھر ویسا ہی کریں گے"

(اردو ترجمہ [illegible])

یہ تو دس بارہ سال پہلے کی بات ہے اس وقت بھی یہ کہا جاتا ہے کہ

"جب تک ہم ہندوستان میں اپنا حصہ پا لینے کے قابل نہیں ہو جاتے ہم ہی دونوں سمندر پار رہنے والے ایسے بادشاہ کو ترجیح دیں گے جو کہ امن و انصاف کے علاوہ ہمیں ہمارے روپیہ کے بدلے کچھ واپس بھی دے اور ہمیں

یہاں کے پندرہ لاکھ ایسے آقاؤں کے پنجے سے نکل کر آزاد انسان بننے کا موقعہ بخشنے جو کہ ہمیں کھاتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے ذرا سے چھو جانے سے وہ ناپاک ہو جائیں گے۔"

(ترجمہ سدانند پا صفحہ ۱۵)

یہ ایک با اثر اچھوت کا بیان ہے جو اس نے مسٹر [illegible] کے سامنے دیا۔ اور یہی کچھ شمالی ہند کے اچھوتوں کی زبان پر جاری ہے۔

ملک کی آزادی کی خاطر بھی اچھوتوں کو ان کے حقوق دلانے چاہئیں

جب تک کہ ان ملک کا فرض ہے اور وہ حق حکومت خود اختیاری کا مطالبہ کرتے ہیں [illegible] ان لوگوں کی حالت سدھاریں اور ان کو وہ تمام مجلسی اور شہری حقوق دیں جن سے صدیوں سے محروم رہنے کے باعث یہ آج کتوں اور بلیوں سے بھی بدتر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

کیونکہ جب تک ملک کی یہ بہت بڑی تعداد دوسری قوموں کی طرف سے مطمئن نہ ہو اس وقت تک ان کی طرف سے سوراج کی مخالفت ہوتی اور پہلے بہت دفعہ ہوئی۔

ملک کی عزت قائم رکھنے کے لئے بھی اچھوتوں کا ادھار ضروری ہے

نہ صرف سوراج حاصل کرنے کی خاطر ہی ان کی حالت سنوارنی ضروری ہے بلکہ ملک کی عزت کو غیروں کی نگاہ میں قائم رکھنے کے لئے بھی اس کی اشد ضرورت ہے کیونکہ ہر وقت غیر ممالک میں ان لوگوں پر توڑے گئے مظالم کی وجہ سے ہندوستان کی نیکنامی اور عزت پر سخت حملے ہو رہے ہیں۔ اور آزاد ممالک کے آزاد باشندے ہمارے مطالبہ آزادی کی اسی لئے تائید نہیں کرتے کہ خود ہم نے ان سات

کروڑ باشندوں کو ان کے انسانیت کے ابتدائی حقوق تک سے محروم کر رکھا ہے
ہمارے وطن سوچیں کہ جب غیر ممالک کے باشندے مختلف یورپین سیاحوں
اور مصنفوں کے ان مضامین کو پڑھتے ہونگے جن میں کہ ہندوستان کے ان
سات کروڑ اچھوتوں کی دردناک حالت کا نقشہ کھینچا جاتا ہے تو ان پر باقی تیس
کروڑ ہندوستانیوں کے متعلق کیا اثر ہوتا ہوگا۔ جب انہیں معلوم ہوتا ہوگا
کہ اس روشنی اور تہذیب کے زمانہ میں بھی سات کروڑ انسانوں کو کتیوں اور
کتوں سے بدتر حالت میں رکھا جاتا ہے تو ان کے دل میں ہندوستانیوں کے
لئے کچھ خفیف سا بھی جذبہ ہمدردی رہ جاتا ہوگا؟
ہم خود ہی سمجھنے کی کوشش کریں کہ ممالک کے آزاد باشندے و انصاف پسند لوگوں کے
متعلق ذلیل برتاؤ دیکھ کر کس طرح ہمارے ساتھ ہمدردی کر سکتے ہیں؟
یا ان کی نگاہوں میں ہماری عزت قائم رہ سکتی ہے؟

اچھوتوں کے متعلق غیر ملکی لوگوں کے بیان کردہ رقت انگیز حالات

ایک امریکن خاتون نے چند سال ہوئے ہندوستان کا دورہ کر کے ایک کتاب لکھی
مس میو کے چشم دید حالات تھی جس میں ... یہاں کی باتوں کو دیکھ
کر اچھوتوں کے متعلق لکھا ہے۔ انہیں تو ہم اچھوتوں
پر متعصب ہندوؤں کی حاکمیت کا حال مندرجہ ذیل الفاظ میں لکھا پاتے ہیں
انہیں ادھورے انسان تصور کیا جاتا ہے۔ سب سے رذیل کام ان کے
سپرد ہوتے ہیں۔ بے عزتی انکے نام سے وابستہ ہے۔ کچھ تو وہ کوڑا کرکٹ اور
فضلہ اٹھانے والے ہوتے ہیں اور کچھ اپنی اس جہالت کی وجہ سے جسمیں

انہیں رکھا جا چکا ہے۔ اپنی عادتوں میں نفرت انگیز ہیں۔ ان سب کو ہر قسم
کی تعلیم کے حق سے سختی کے ساتھ محروم رکھا جاتا ہے۔ ہندوؤں کی مذہبی
کتابیں اُن کے پاس نہ تو ہوتی ہیں اور نہ ہی وہ پڑھ سکتے ہیں۔ کوئی برہمن
پروہت اُن کے مذہبی فرائض کی بجا آوری کے لئے انکی امداد نہیں کریگا
اور سوائے نہایت شاذ و نادر کے وہ ہندو مندروں میں پوجا پاٹھ کیلئے
داخل بھی نہیں ہو سکتے۔ انکے بچے عام مدرسوں میں نہیں آ سکتے۔ عام
کنوؤں سے پانی بھرنے کی انکو اجازت نہیں ہوتی۔ اسلئے اگر کہیں وہ ایسی
جگہ رہیں جہاں پانی کی قلت ہو اور فراغ دست نہ ہوں تو اس صورت میں
دوسرے لوگ انکی کسی قسم کی خبرگیری نہیں کرینگے۔ بلکہ اس کا مطلب
یہ ہے کہ انکی تکلیف، مصیبت اور شدت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ وہ کسی عدالت
میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اپنے حقوق کے واسطے امداد حاصل کرنے کے لئے
کسی شفاخانہ میں قدم نہیں رکھ سکتے۔ اور کسی سرائے میں قیام نہیں کر سکتے
بعض صوبوں میں تو انہیں عام گزرگاہوں پر چلنے کی بھی اجازت نہیں۔ اور
مزدوروں اور کاشتکاروں کی طرح وہ ہمیشہ نقصانات میں رہتے ہیں کیونکہ
انہیں کسی دکان میں داخل ہونے یا ان بازاروں سے جہاں دوکانیں ہیں
گذرنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ اس کی بجائے چھوٹی چھوٹی اشیاء کی خرید
فروخت کے لئے بھی لالچی دلالوں کا دستنگر ہونا پڑتا ہے۔ ہندوؤں کی
ذلت انتہا تک پہنچی ہوئی ہے کہ انہیں کسی کام کے کرنے کی اجازت
نہیں ہے۔ یہ لوگ کوئی چیز بھی یہاں تک کہ اپنی محنت بھی نہیں بیچ سکتے
صرف بھیک مانگ سکتے ہیں اور اس مطلب کے لئے وہ گذرگاہوں کو
استعمال نہیں کر سکتے۔ بلکہ دور فاصلے پر آنکھوں سے اوجھل کھڑے

ہوکر چلا چلا کر آنے جانے والوں سے سوال کر سکتے ہیں۔ اگر خیرات دی جائے تو سڑک سے پرے دُور زمین پر پھینک دی جانی چاہیئے۔ اور جب دان کرنے والا نظر سے اوجھل ہو جائے اور سڑک خالی ہو جائے تو اسوقت اور صرف اُس وقت یہ دیکھنے والا سڑک کے آگے بڑھے۔ اسے اٹھائے اور دوڑ جائے۔ ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ اگر ان کا سایہ بھی کسی کھانے والی چیز پر پڑ جائے تو وہ ناپاک ہو جاتی ہے۔ اور کسی ذات والے انسان کے قابل نہیں رہتی۔ چنانچہ انہیں ناپاک سمجھ کر [illegible] صرف شام ہی کی جا سکتی ہے۔ کچھ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن کے بدنصیب جسموں سے دُور ہی سے ناپاکی کے چھوٹ جانے کا خیال ہوتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی کسی [illegible] برہمن کے نزدیک [illegible] آ ہی جائے اور اسے سڑک [illegible] پر ٹھہرنا چاہیئے۔ اگر تو واسطہ دو سو گز کا ہو تو اسے ایک [illegible] کے نیچے احتیاط سے [illegible] پر رکھ دینا چاہیئے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ غلیظ اس جگہ سے ناپاک کر دینے کی حد [illegible] ہے۔ پھر جب برہمن گزرتا ہے تو وہ اس نشان کو دیکھ کر ٹھہر جاتا ہے اور بلاتا ہے۔ پھر وہ غریب انسان [illegible] پاؤں بھاگ جاتا ہے۔ اور جب کافی دُور چلا جاتا ہے تو پھر مڑ کر آواز دیتا ہے کہ میں اب دو سو گز پرے ہٹ گیا ہوں حضور تشریف لے جائیں

پھر ملیبار کے ساحل کے نزدیک ایک اور قسم کے لوگ بھی آباد ہیں انہیں ملیا کہتے ہیں۔ انہیں اپنے لئے جھونپڑیاں بنانے کی بھی اجازت نہیں۔ انہیں اپنے لئے اس طرح کے گھر بنانے کی اجازت ہے کہ لکڑی کے ستونوں پر ایک قسم کے پتوں کا چندوا بنا لیں۔ یا بڑے بڑے درختوں کے تنوں میں گھونسلے بنا لیں۔ انہیں اور کسی قسم کے انسانوں کے پاس

پھٹکنے کی اجازت نہیں۔ ڈیوبا لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں ایک نائر (اعلیٰ ذات کے ہندو) کو حق حاصل تھا کہ اگر اُسے کوئی پلیا سڑک پر مل جائے تو اُسے وہیں جان سے مار ڈالے۔ آج نائر ایسا کرنے سے جھجکتا ہے لیکن پھر بھی آج کوئی پلیا کسی ذات والے انسان کے قریب ساٹھ یا ستر فٹ سے زیادہ نہیں جا سکتا۔"
(ترجمہ ہندو انڈیا ص ۱۲۱-۱۲۲)

ڈاکٹر ہیپ گڈ کا قصہ

مِس میو اپنی دوسری کتاب "دیوتاؤں کے غلام" میں ایک جگہ میں ڈاکٹر ہیپ گڈ کا قصہ لکھتی ہے کہ "ڈاکٹر ہیپ گڈ کا دل ہر قسم کے جذبات سے بھرا ہوا تھا جب وہ ایک عظیم الشان ہسپتال میں بحیثیت ریذیڈنٹ کنسلٹنگ سرجن کے اپنے سرکاری کام پر متعین ہوئے۔ ان کا سٹاف تقریباً ایک درجن نوجوان ہندو ڈاکٹروں پر مشتمل تھا۔ اور وہ اگرچہ ان لوگوں کی رہنمائی کرنے آیا تھا لیکن اُس نے خود ان لوگوں سے درس لینا شروع کر دیا۔ وہ ہندو ڈاکٹر اس سے اکثر کہا کرتے تھے کہ ابھی بہت سی چیزیں مشرق کے پاس ایسی ہیں جو مغرب کو سیکھنی پڑیں گی۔ ایک دن ڈاکٹر ہیپ گڈ نے یکایک پلٹ کر جواب دیا کہ ہاں مگر وہ چیزیں اور ان کا بہترین حصہ استقلال اور صبر ہے۔ اسی تمام دن ڈاکٹر ہیپ گڈ اپریشن کی میز پر جھکا رہا تھا کیونکہ اُس دن اس کے ماتحت ہندو ڈاکٹروں نے محض عدم توجہی کی وجہ سے وارڈ کے دو مریضوں کو نہایت خاموشی کے ساتھ مر جانے دیا تھا۔

جب ڈاکٹر ہیپ گڈ نے اس سہل انگاری پر نوٹس لیا تو اس کے بعض ماتحت ڈاکٹر چیٹر جی نے کہا کہ وہ دونوں مریض تو بہرحال قریب المرگ معلوم ہوتے تھے اور پھر یہ کہ وہ نیچ قوم کے بھی تھے۔ یہ بات سن کر ہیپ گڈ نے

گھورنا شروع کیا اور کہا کہ یہ کوئی معقول بات ہے اور کیا اس کا اصل معاملہ سے کوئی تعلق ہے؟

برہمن ڈاکٹر نے اس کے جواب میں کہا کہ ذات کی باتیں تو ہر چیز سے علاقہ رکھتی ہیں۔ ذات تو ہمارا روحانی جبل الطارق ہے۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ مغربی دنیا بھی اس نقطہ کو سمجھنے لگے گی۔ قدیم مشرقی دنیا کے پاس ایسے بہت سے گر ہیں جو مغرب کو سیکھنے باقی ہیں۔

جب پارکر نے گھنٹی بجائی جو میز پر رکھی تھی اور اس کا چپراسی دروازہ پر آیا تو اس نے چلا کر کہا کہ گھوڑا منگاؤ۔

اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا اس کے دل کو اذیت پہنچ چکی تھی۔ اس کی ذات فیصلہ سے تو بہت دیا تھا۔ تھکے ہونے کی وجہ سے اسے اپنا کام سخت معلوم ہوتا تھا۔ گرمی کا موسم شروع ہو گیا تھا کہ اس زمانہ میں اکثر بیمار رہا کرتا۔ اور پرانے ملیریا کے اثرات بھی اس کے جسم میں چپکے چپکے کام کر رہے تھے۔ چڑچڑے پن اور شکستہ دلی نے اس کے توازن دماغی میں خلل ڈال دیا تھا۔

اس نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے اب کوئی لفظ زبان سے نکالنا نہیں چاہئے اب میں گھوڑے پر سخت اور لمبی سواری کروں گا اور جب پسینہ آئے گا تو شیطان میرے دماغ سے نکل جائے گا۔ اسکے بعد ممکن ہے کہ ان (ہندو ڈاکٹروں) کا نقطہ خیال میری سمجھ میں آجائے۔

اور حقیقت میں جب شام کے وقت وہ دوبارہ شہر کے قریب پہنچا تو اس نے شکوک کا اس قدر سختی کے ساتھ مطالعہ کر لیا تھا کہ وہ ذات پات کے طریقوں پر اچھا خاصا قصیدہ لکھ سکتا تھا وہ اپنے دل سے باتیں کرتا چلا آتا

تھا اور بس کا گھوڑا آہستہ آہستہ شاہراہ پر قدم [illegible] تھا۔ اس نے
کہا کہ ممکن ہے کہ تعجب انگیز مشاہرہ شناسی کے نقطۂ نظر تھوڑا [illegible] کے
بدل دیں۔ لیکن قدیم لوگوں کی دانائی حقیقت کی جستجو کرنے والے کے لئے ہمیشہ قائم رہنے
والی چیز ہے۔ اور پھر کون کہہ سکتا ہے کہ کس کی تعلیمات بہتر ہیں اور کس کا طرز
زندگی [illegible] ہے۔ [illegible] کہہ سکتا ہے کہ خدا نے جو کچھ سری کرشن کی زبان سے کہا
ہے [illegible] یاد دلانے طریق پر اس نے مسیح کی زبان سے ظاہر نہیں کیا۔

لیکن اس موقعہ پر اس کے خیالات [illegible] پیدا ہو رہے تھے۔ اور سلسلۂ خلوت کا بھی
خاتمہ ہو گیا کیونکہ بس سڑک پر دو چار [illegible]
ہر ایک اپنے کاندھوں پر [illegible] کے [illegible]
اس سڑک پر جو راستے [illegible] سڑک کے دونوں کناروں پر [illegible] کے درخت
ایک کھجور کی [illegible] گئے۔ ایک خوش پوش ہندو [illegible] نظر [illegible] معلوم
ہوتا تھا کہ [illegible] کی سیر [illegible] کچھ آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا ہے۔
[illegible] آہٹ پاکر آنکھیں کھولیں لیکن اپنی جگہ سے [illegible]
آواز نکالی۔ یہ آواز تھی یا توپ کا گولا [illegible] کے سنتے ہی سارے [illegible]
مرد و زن سڑک کے دونوں کناروں سے سمٹ کر [illegible] بیٹھ گئے۔ [illegible] سڑک
دور تک خالی چھوڑ دی۔ بعض بعض [illegible] اور [illegible]
نکلے لیکن [illegible] سڑک پر [illegible] سڑک کے قریب [illegible] آئے [illegible]
کیا۔ اور پھر لطف یہ تھا کہ ہر ایک اپنے منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے [illegible]
سانس کو [illegible] اپنی سانس سے [illegible] جاتا تھا۔ [illegible] یہ ماجرا دیکھ کر
[illegible] رہ گیا اور اس کے دیکھتے دیکھتے وہ ہندو [illegible] سڑک کے
[illegible] ٹہلتا ہوا شہر چلا گیا۔ اس کے [illegible] ہونے کے بعد وہ مرد و [illegible]

دلدلوں اور پانی کے نالابوں سے باہر نکلے اور میلے پانی اور کیچڑ میں تر ابور سرکاری
سڑک پر گھسیٹتے ہوئے نظر آئے۔

ان میں سے ایک شخص بقیہ تمام مزدوروں کا سرگروہ معلوم ہوتا تھا۔ اس سے
ڈاکٹر ہیپ گڈ نے ہندوستانی زبان میں سوال کیا کہ یہ کیا بات تھی کہ تم سب اس
شخص کے سامنے سے بھاگ گئے تھے۔ اور تم چلا چلا کر کیا لفظ کہہ رہے تھے۔
اس سے تمہاری کیا مراد تھی؟ اور تم میں سے ہر شخص اپنے منہ پر ہاتھ کس لئے
رکھے ہوئے تھا؟

اس بوڑھے شخص نے جو بظاہر [illegible] تھا جواب دیا کہ صاحب کیا آپ کو نہیں
معلوم کہ ہم سب اچھوت ہیں۔ وہ برہمن تھا اور ہم برہمن کے سامنے سے اس لئے
بھاگ گئے کہ ہمارے قریب ہونے سے وہ ناپاک ہو جاتا۔ اور ہم [illegible] اس کے
دیوتاؤں کی [illegible] ہم اپنی زبان سے [illegible] کا لفظ کہہ رہے تھے کہ سب
برہمنوں کو معلوم ہو جائے کہ اس وقت ہم [illegible] اور [illegible] وہ [illegible] فاصلہ
پر ہیں۔ اور ہم اپنے منہ پر ہاتھ اس غرض سے رکھے ہوئے تھے کہ کہیں ہمارا
سانس سے کوئی برہمن ناپاک اور بھرشٹ نہ ہو جائے۔ ہیپ گڈ نے پوچھا کہ
اب تم کہاں جا رہے ہو۔ [illegible] نے جواب دیا کہ ہم اپنے گھر کو جا رہے ہیں۔ [illegible]
گھر سامنے والے جنگل میں ہیں۔ ہیپ گڈ نے کہا کہ اچھا میں بھی تمہارے ساتھ
چلوں گا۔

ڈاکٹر ہیپ گڈ بہت رات تک انکی چوپال میں بیٹھا انکی باتیں سنتا رہا
اور ان سے باتیں پوچھتا رہا۔ اس کے اردگرد بچے بوڑھے جمع تھے اور اس
بات کے [illegible] میں سے عورتیں اسے جھانک جھانک کر دیکھ رہی تھیں۔
اسے کھٹملوں نے خوب کاٹا۔ مچھر بھی کثرت سے تھے۔ اور جب وہ [illegible]

تھا [illegible] اس کے جسم پر [illegible] پانی تھی وہاں اُنہیں [illegible] بھی
ڈاکٹر بیپ [illegible] نے ان تمام چیزوں کی پرواہ نہ کی۔ اور وہ ان کے حالات دریافت
دریافت کرتا رہا ۔ ۔ ۔ ۔ آخرکار اُس نے اُن سے پوچھا کہ تم بہت میلے ہو
اور از حد غلیظ ہو۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ حضور کیا کریں ہمارے استعمال
کے لئے کوئی [illegible] نہیں ہے۔

ڈاکٹر۔ اچھا تو سامنے والے گاؤں سے پانی [illegible]

اچھوت۔ نہیں حضور وہ لوگ [illegible] اگر ہم ان
کے پاس جائیں گے تو وہ [illegible] ہو جائیں گے اور [illegible]

ڈاکٹر۔ تو تم اپنے کنوئیں کھود لو۔

اچھوت۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ہمارے پاس [illegible] ہے نہ ہم
[illegible] رکھ سکتے ہیں۔

ڈاکٹر۔ پھر تم پانی کہاں سے اور کیونکر حاصل کرتے ہو۔

اچھوت۔ جب بارش ہوتی ہے تو دلدلوں اور کھائی [illegible] سے پانی
لے آتے ہیں۔ اور جب پانی کہیں نہیں ملتا تو ہماری [illegible] آدھے دن [illegible]
[illegible] کے اسٹیشن پر چلی جاتی ہیں۔ اور جب گاڑی آتی ہے تو [illegible]
[illegible] والے ترس کھا کر اپنے انجن میں پانی [illegible] کے بعد ہماری
عورتوں کو [illegible] سے بھر لینے دیتے ہیں۔

ڈاکٹر بیپ [illegible] نے پوچھا کہ تمہارے بچے اس قدر [illegible] ہیں
کیا وہ اس حالت میں مدرسے کیونکر جا سکتے ہیں؟

اچھوت۔ صاحب! پاٹھشالہ [illegible] ہمارے بچے [illegible] وہ
کبھی مدرسے نہیں جا سکتے۔ نہیں [illegible] ہمارے لئے مدرسے

اور سکول قائم کئے ہیں۔ لیکن ہندو سرکار کو بھی دھوکہ دینے کی تدبیریں نکال لیتے ہیں۔ اور وہ ہمارے بچوں کے ساتھ اپنے بچوں کو کبھی فرش پر جمع نہیں ہونے دیتے

ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہ تم روزانہ کیا مزدوری لیتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ دو آنے روزانہ! ڈاکٹر صاحب بولے۔ یہ تو مزدوروں کی ضرورت تک ہی ہے اور وہ اس سے مزدوری کبھی دگنی دیتے ہیں۔

اچھوت۔ یہ سچ ہے لیکن ہمارے لئے زمین کہاں ہے۔ کیونکہ مالک برہمن ہیں جو ہمارے سر پر قدرت سے سوار چڑھا ہوا ہے۔ یہ تو ان کے غلام ہیں وہ ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم انکی زمین اور ان کی خدمت سے علیحدہ ہو کر کہیں اور مزدوری کریں۔

ڈاکٹر۔ تو جب کوئی اور صورت کامیاب نہیں ہوتی تو مندروں کے بڑے بڑے برہمن پجاری تمہارے زمینداروں کو کیوں نہیں سمجھاتے۔

اچھوت۔ افسوس! صاحب کو کچھ معلوم ہی نہیں ہے کیا ہے۔ ہم پر کچھ مصیبت گذر جائے کوئی پجاری ہماری طرف سے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالتا۔ ہم پر اسوقت جو بپتا پڑ رہی ہے وہ سب ان گناہوں کا بدلہ ہے جو ہم نے اپنے پچھلے جنم میں کئے تھے لہ اور جن کے بدلے میں برہمنوں کے دیوتاؤں نے ہمیں یہ سزا دی ہے۔ صاحب کو اسکی خبر نہیں کہ ہم ملیکاشی

لہ یہ براہمن دیوتا کا کمال ہے کہ ان لوگوں کو اپنا غلام بنائے رکھنے کے لئے اس قسم کے بیانات ان کے دماغوں میں نہایت مضبوطی کے ساتھ ٹھونس رکھے ہیں کہ وہ اپنی موجودہ حالت کو پچھلے جنم کے گناہوں کا نتیجہ سمجھیں اور ہماری غلامی سے نکلنے کا یتن نہ کریں (احمدی مہاجر قادیان)

[illegible] پاک [illegible] پر اور [illegible] وہاں پر قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔ مگر [illegible] کتابوں کے شلوک
سنائے تو [illegible] اس بات کا پھل یہ ہو گا کہ وہ دوامی اذیت میں مبتلا ہو جائیگا
تب ڈاکٹر حبیب گرانٹ نے یہ داستان سنی تو اس کے جذبات اسکے چہرہ پر ظاہر
ہونے لگے غصہ۔ نفرت۔ اور ترس کے جذبات اسکے دل و دماغ میں چٹکیاں
مارنے لگے۔ جو لوگ اسکے گرد بیٹھے ہوئے تھے ان کو [illegible] محسوس ہو گیا کہ صاحب
پر یہ [illegible] ہو رہے ہے۔ کہتا [illegible] کیا کہ صاحب [illegible]
[illegible] تو [illegible] طرح اچھوت۔ دیکھو [illegible] ہیں ... [illegible]
ایک بچے [illegible] بار [illegible]
وہ نئے خدا [illegible] ذکر سناتا تھا کل وہ [illegible] کا ذکر
کر رہے تھے [illegible] پادری [illegible]
بھی پسند کرتے ہیں ... [illegible] جواب دیا
کہ [illegible] تھے ... وہ کسی نئے خدا کا
ذکر کرتے تھے۔ وہ خدا اچھوت [illegible] اور ہم جیسے مصیبت کے مارے
لوگوں پر بہت [illegible] ہے [illegible] ہو ... ڈاکٹر حبیب گرانٹ نے
یہ پوری بات سنی کیونکہ [illegible] بچہ کو [illegible] گود میں اٹھا لیا تھا [illegible]
[illegible] تھا ... جب ڈاکٹر نے اسکے چہرے اور اسکی حالت
کو دیکھا تو اسکی نظروں میں [illegible] اپنے دل [illegible] کہا کہ [illegible]
[illegible] کسی کی تقدیر [illegible] قدر خراب نہیں ہوئی جتنی کہ ان لوگوں کی ہے
یہ سوچ [illegible] کے دل میں ایک جوش پیدا ہوا اور [illegible] اچھوتوں کے [illegible] حلقہ
کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ... تم کہتے ہو کہ ایک [illegible] پادری یہاں آیا تھا
اور وہ [illegible] بھی یہیں قریب ہی ٹھہرا ہوا ہے [illegible] ان کے پاس [illegible]

جائے اور عیسائی مذہب قبول کر لے تو نجات کیوں نہ حاصل کرے۔ لیکن سننے
والوں نے سر ہلایا۔ اور کہا [illegible] کہ اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے لیکن
ہماری ہمت نہیں پڑتی کیونکہ جس دن پادری صاحب یہاں آئے تھے اسی دن
ہمارے برہمن [illegible] تھا کہ اگر ہم میں سے کسی نے عیسائی
مذہب اختیار [illegible] ہونا چاہا تو اسے بڑی مصیبتیں جھیلنی ہوں گی
اسے گھر سے نکال دیا جائے گا۔ [illegible] کر دیا جائے گا اور
سب [illegible] حقارت برتے گا۔ ہم اپنے مالک کو [illegible] طرح جانتے ہیں
وہ بھی [illegible] تو کچھ ہو سکے گی۔ وہ
ہمیں مصیبت میں [illegible] کوئی [illegible] باقی نہ رہنے دے گا۔

...... دوسرے دن صبح کو اسمتھ صاحب [illegible]
گیا اور باہر [illegible] کے گھر کی طرف چلا۔ [illegible]
پہنچکر وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھہرا اور کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ [illegible] کا تمام [illegible]
اس وقت دفتر میں جمع تھا اور اس کا انتظار ہو رہا تھا۔ [illegible] باتوں
اور ان کے قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں [illegible] اس کی نظر ایک چیز پر پڑی جو
احاطہ کے اندر ۲ گز کے فاصلہ پر ایک کھلی ہوئی نالی کے کنارے پر [illegible]
حرکت پڑی تھی۔ اسمتھ [illegible] ڈاکٹر [illegible] کو آواز دیکر کہا کہ یہاں یہ کیا چیز پڑی
ہے۔ ایک بچہ معلوم ہوتا ہے۔ ایک نے نہایت مسرت کے لہجہ میں جواب دیا
کہ ہاں یہ ایک بچہ ہے۔

ڈاکٹر حبیب [illegible] تم سب لوگوں کو معلوم تھا کہ وہ [illegible]
اسمتھ [illegible] ڈاکٹر۔ ہاں ہمیں معلوم تھا کہ بچہ یہاں پڑا ہے۔ ہم نے اسے دیکھ
[illegible]

ڈاکٹر۔ خوب، اور تم نے اُسے یہاں جلتی دھوپ میں چھوڑ دیا۔ اور تم میں کوئی
بُت کے لئے کچھ کرنے کو تیار نہیں ہے۔ تم سے اتنا بھی نہ ہُوا کہ اُسے نالی میں ڈھکیل
دیتے کہ وہ ڈوب مرتا۔ اُس نے غصّے کے عالم میں خیال کیا تھا کہ ذرا ان ڈاکٹروں
کو غیرت دلاؤں۔ لیکن انھوں نے خاموشی اختیار کرلی اور یہی ان کا جواب تھا
کیونکہ ڈاکٹر ہیپ گڈ کے غصّہ سے وہ کسی قدر ڈر گئے تھے۔ لیکن ان ڈاکٹروں
میں سے ایک نے گویا اپنی معصومیت ظاہر کرنے کے لئے کہا کہ جناب اپنا
سب پوچھئے۔ یہ قریب کے گاؤں میں کسی نیچ قوم کا بچہ ہے۔ وارڈ میں جگہ ہی
خالی نہیں ہے۔

ڈاکٹر ہیپ گڈ۔ وارڈوں میں جگہ نہیں ہے؟ (نہایت غصّہ کے عالم
میں) اگر وہ اونچی ذات کا بچہ ہوتا تو کیا تم اسے اسی طرح چھوڑ دیتے۔ اگر وہ
برہمن ہوتا تو تم ہی کہتے۔ تم لوگ کب تک سیکھو گے کہ کسی نہ کسی طرح ....
ڈاکٹر ہیپ گڈ نے اپنی بات بھی پوری نہ کی اور وہ بچے کی طرف کو لپک کر
چلا گیا۔

اُس نے دیکھا کہ ایک ننگا سیاہ رنگ بچہ جس کی عمر تقریباً ۱۲ سال ہوگی، زمین
پر لیٹا ہے۔ اور اس کے بالوں میں خاک دھول بھری ہوئی ہے لیکن ڈاکٹر
ہیپ گڈ نے گذشتہ چند ہفتوں کے اندر ایسے سیکڑوں بچے دیکھے تھے۔ اس
نے کہا بچہ! بچہ! یہ آواز سُنکر بچے نے آنکھیں کھول دیں۔ اس میں بخار کی آگ
جل رہی تھی۔ اس نے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔

ڈاکٹر ہیپ گڈ۔ بچہ! سنو! آنکھیں کھولکر دیکھو! اس پر بچے نے آنکھیں
کھولیں۔ وہ مسکرایا۔ پھر یکایک اُس نے ڈاکٹر ہیپ گڈ کو پہچانا۔ اور یہی کہہ بولا۔
صاحب راستہ بہت لمبا تھا لیکن میں آگیا۔ ورنہ تیتے کے لئے آیا ہوں کہ ہم

تم نے پادری کو ڈھونڈ لیا۔ کیونکہ تمہاری باتوں سے ہمارے دلوں میں گرمی پیدا ہوتی تھی۔ اب جو تمہارا خدا [illegible] میرا خدا ہو گیا ہے۔ جنگی اسپرٹ [illegible] نے گاؤں سے نکال دیا اور ہمارے گھر اور سارا سامان جلا ڈالا میں تمہیں ڈھونڈنے کے لئے یہاں آ گیا ہوں۔

صاحب تم میرے پاس رہنا کیونکہ اندھیرا ہوتا جا رہا ہے۔ اب میں جا رہا ——— آخر اس بچے کی دھیمی آواز بھی بند ہو گئی۔ اور اس کا سر ڈاکٹر [illegible] کے بازو پر جا پڑا۔ اور جب وہ بچے کو گود میں اٹھا کر قبر کی طرف لیجا رہا تھا تو اس وقت وہ غصے سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اس نے پرانے ڈاکٹروں کو خوب سنائیں اور کہا کہ [illegible] دوا [illegible] تم سچے ڈاکٹر نہیں ہو [illegible] ڈاکٹر نہیں بن سکتے تم پر وہ روح ہی نہیں ہے جو سچے ڈاکٹری کی اصل [illegible] آسمان [illegible] ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ [illegible] ہے۔ تم میں سے ایک بھی [illegible] نہیں کہ اس بچے کے پاس [illegible] بدمعاش کہیں کے ......

نے اپنی کتاب [illegible] کی آخری کامیابی [illegible] اپنے مشاہدہ کی بنا پر لکھا ہے کہ :	کرنل [illegible] پال (امریکہ)

[illegible] کے علاوہ دو پیشے اور گنائے ہیں۔ بعض اور پیشے بھی ہیں جنہیں [illegible] کیا جاتا ہے۔ اور جن کی بابت تو [illegible] کہتے ہیں [illegible] سے خارج ہیں۔ اور یہ انسانوں کی کوئی [illegible] قوم میں برایاں قوم سب سے زیادہ مشہور ہے۔ چھوٹی حیثیت سے [illegible] آبادی کی ایک چوتھائی ہیں۔ یہ لوگ نہایت کم آمدنی [illegible] وہ ہر قسم کی محنت اور مشقت کرتے ہیں ان کے بغیر دوسرا طبقہ زندہ ہی [illegible]

ہونگے۔ تاکہ وہ ... ثابت [illegible] کی [illegible]
ہوا [illegible] اور [illegible] چھوٹی [illegible] دشواری
[illegible] چھوٹی [illegible] ذاتوں کے [illegible] خاص [illegible] لوگوں
اور [illegible] کے [illegible] ذلت وحقارت سمجھتے ہیں
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] علامت کا تو
کچھ ذکر ہی نہیں [illegible]
تو [illegible] پیچھے [illegible] ہوجاتی ہیں

نہایت ہی بُری ٹو نکلتی ہے"۔ [1]

ہوسکتا ہے کہ محولہ بالا بیانات میں کسی قدر مبالغہ ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں کسی قدر بناوٹ کا بھی دخل ہو۔ ممکن ہے کہ لکھنے والوں نے کچھ رنگ آمیزی بھی کی ہو۔ اور واقعات کو مؤثر بنانے کے لئے خاص پیرایہ اختیار کیا ہو۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ جو کچھ غیر ممالک میں شائع کیا جا رہا ہے اور جس قسم کی روایات بیان کیجاتی ہیں ان میں بہت حد تک حقیقت ہے۔ اب کیا ایسی حالت میں جبکہ ملک آزادی کے لئے بے تاب ہے اس قسم کے حالات کا غیر ممالک کے باشندوں تک پہنچانا ہماری بے توقیری اور بے عزتی کا باعث نہیں؟ کیا ان واقعات کی اشاعت دوسروں کی ہمدردی سے ہمیں محروم نہیں کر رہی؟ ان سے ہمارے ملکی اور قومی مفاد کو نقصان نہیں پہنچ رہا۔ اگر پہنچ رہا ہے اور یقیناً پہنچ رہا ہے۔ تو پھر کیا ان حالات کو بدلنا ہم پر فرض نہیں؟ کیا سات کروڑ اچھوتوں کا وجود ہمارے لئے ہمارے ملک کے لئے کلنک کا ٹیکہ نہیں؟ اگر ہے تو پھر کیوں نہیں اچھوت پن کی اس لعنت کو ملک سے دور کیا جاتا؟

حکمران قوم کیطرف سے اچھوت اُدھار ہوتا ہے

مقام غور ہے کہ ہماری حکمران قوم سمندر پار سے آکر اچھوتوں کا ادھار کرتی ہے۔ ان کے دُکھ درد دُور کرتی ہے۔ ان میں تعلیم پھیلاتی ہے انہیں اخلاق سکھلاتی ہے اور انکی روزی کے ذرائع بہم پہنچاتی ہے۔ مگر ہم ہیں کہ اس طرف توجہ بھی نہیں کرتے۔ کیا ہمارے لئے یہ فخر کی بات ہے

[1] بحوالہ اخبار "ہندوستان ٹائمز" (جو مالوی جی کا اخبار ہے) از الامان دہلی ۲۲ جولائی ۱۹۲۸ء

کہ وہ انگریز جنکا مذہب اور جن کا تمدن اور جنکی تہذیب اور جن کے رسم و رواج اور جن کا وطن اور، وہ تو تمہارے ملک سے اچھوت پن کی لعنت دُور کرنے میں ساعی ہوں مگر ہندوستان کے باشندے اپنے ہی بھائیوں اور جگر کے ٹکڑوں کی حالت سنوارنے کی طرف متوجہ نہ ہوں؟

غیر ممالک کیطرف سے اچھوت ادھار ہوتا ہے

برٹش گورنمنٹ کی اس ہمدردانہ کاروائی کو چھوڑیئے، امریکہ جرمن اور دوسرے مغربی ممالک سے لوگ آتے ہیں۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں آتے ہیں۔ اور وہ آکر ان لوگوں میں بود و باش اختیار کرتے ہیں جنہیں ملک کی اکثریت نے نیچ اور اچھوت قرار دے رکھا ہے وہ لوگ صرف بود و باش ہی اختیار نہیں کرتے بلکہ ہر سال ہزاروں نہیں لاکھوں روپے انکی حالت سدھارنے پر صرف کرتے ہیں کیا انکی یہ کوششیں ہمارے لئے باعث عزت ہیں؟ یا ان سے ہمارے ملک کی توقیر بڑھتی ہے؟

مگر خود ہندوستانی اچھوت ادھار کیوں نہیں کرتے

کس قدر شرم کا مقام ہے کہ غیر تو آکر ہمارے بھائی بندوں کو قعر ذلت سے نکالیں اور ہم ٹس سے مس بھی نہ ہوں؟ لیکن آخر یہ خاموشی، اور سرد مہری کیسا نک؟ کیا ملک کو آزادی دلانا اور اسکی عزت و توقیر بڑھانا پسند نہیں؟ اگر ہے تو پھر یہ بے پرواہی کیوں؟

اگر غیر ملکی انہیں عیسائی بناتے ہیں تو ہندوستانی انہیں اپنے اپنے مذہب میں لائیں

اگر کہا جائے کہ غیر ممالک کے لوگ تو اس لئے ان کا ادھار کرتے ہیں تاکہ وہ ان کا مذہب اختیار کر لیں۔ مگر جو لوگ یہ کہتے

ہیں کیا ان کا کسی نے ہاتھ پکڑا ہے؟ وہ بھی ان کے پاس جائیں اور انہیں اپنے
مذہب میں شامل کرلیں۔ اگر ایک ہندو یہ چاہتا ہے کہ وہ اچھوتوں کا ادھار کرے
تو اسے حق ہے کہ ان کے پاس جائے ان کی حالت سنوارے اور انہیں دھرم
کا انویائی (پیرو) بنالے۔ ایک آریہ سماجی اگر چاہتا ہے کہ وہ اچھوتوں کا ادھار
کرے تو اس کا حق ہے کہ وہ ان کے پاس جائے۔ انکی اصلاح کرے اور انہیں
آریہ سماج کا سبھاسد (ممبر) بنالے۔ اسی طرح مسلمان بھی ان کے پاس جائیں۔ جہاں
ان کی اصلاح کا کام کریں وہاں انکے سامنے اپنا مذہب پیش کریں۔ اگر انہیں انکا
مذہب اپیل کرے اور وہ اس میں داخل ہونا چاہیں تو ان کو اس میں داخل
کرلینے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ کیونکہ اچھوت جہاں دنیوی تعلیم سے محروم ہیں
وہاں انہیں مذہبی روشنی بھی حاصل نہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ جہاں اُن کی
دنیاوی حالت سنواری جائے، انکو تعلیم کا شوق دلایا جائے وہاں ان کے
قلب و دماغ کو مذہب کی روشنی سے بھی روشن کیا جائے تاکہ جہاں وہ موجودہ
غلامی سے رہائی پائیں وہاں آخرت میں بھی انہیں نجات اور فلاح حاصل
ہو۔ اور انکی دنیا اور آخرت دونوں سدھر جائیں۔

ہمیں امید ہے کہ ابنائے وطن عموماً اور مسلمانانِ ہند خصوصاً اس طرف توجہ
کرینگے۔ اور جلد ہی اپنی کامیاب مساعی سے ملک کو اچھوت پن کی لعنت سے
آزاد کرکے اس کو غیروں کی نگاہ میں ذلیل اور شرمندہ ہونے سے بچائینگے۔

اگر مسلمان اس طرف توجہ کریں تو انہیں روپیہ اور وقت مل سکتا ہے

ممکن ہے اس موقعہ پر کوئی مسلمان کہہ
بیٹھے کہ چونکہ انکی اصلاح کے لئے
وقت اور روپیہ کی ضرورت ہے
اور وہ ہمارے پاس کہاں؟ تو

ایسا شخص ہمیں بتلائے کہ مسلمانوں کے پاس سینما اور تھیٹروں میں جانے
کے لئے وقت اور روپیہ کہاں سے آجاتا ہے؟ میلوں اور تماشوں میں جانے
کے لئے وقت اور روپیہ کہاں سے آجاتا ہے؟ دعوتوں اور پارٹیوں کیلئے
وقت اور روپیہ کہاں سے آجاتا ہے؟ بیاہ شادیوں اور دوسری رسومات میں
مسرفانہ طریق پر خرچ کرنے کے لئے روپیہ کہاں سے آجاتا ہے؟ جب
ان چیزوں کے لئے وقت اور روپیہ مل جاتا ہے تو کیا ان سات کروڑ
مظلوموں کی دستگیری کے لئے وقت اور روپیہ نہیں مل سکتا؟ مل سکتا
ہے۔ اور یقیناً مل سکتا ہے۔ ضرورت صرف احساس اور ارادہ کی ہے
اگر مسلمان انکی حالت زار کا احساس کریں۔ اور کمر ہمت باندھ لیں تو ایسی
حالت میں انکے لئے یہ میدان سر کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں۔

خدا اور رسول کا بھی حکم ہے کہ مسکینوں اور مظلوموں کی امداد کی جائے

مسلمانان ہند کو یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اس فرض کی ادائیگی نہ صرف
ملک کی آزادی اور اسکی عزت کے
تحفظ کے لئے ضروری ہے بلکہ خدا اور اُسکے رسول کا بھی یہی حکم ہے کہ
مسلمان مظلوموں کی مدد کریں اور ان کو ظالموں کے ظلم سے بچائیں۔ اور جو
لوگ غلامانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کے دستگیر بنیں اور انہیں غلامی اور
داستان سے نکال کر حُر اور آزاد بنائیں جس سے کہ نہ صرف وہ آزاد شدہ
غلام ہی سکھی ہونگے بلکہ ان کو دکھوں سے نجات دلانے والے مسلمان بھی
دنیا و آخرت میں بلند مراتب حاصل کرینگے کیونکہ اللہ تبارک وتعالےٰ
قرآن کریم میں فرما چکا ہے غلاموں کو آزاد کروانا مسکینوں اور محتاجوں کی
دستگیری کرنا بلندی مراتب کا حقیقی ذریعہ ہے۔

ہمیں توقع ہے کہ خدا اور اُسکے رسولؐ سے محبت کرنے والے ان کے احکام کو سر آنکھوں پر رکھنے والے اس موقعہ کو ہرگز ہرگز ضائع نہ کرینگے۔ بلکہ پوری توجہ اور مستعدی کے ساتھ اس کام میں ہاتھ ڈالینگے۔ اور اس میں کامیاب ہونے کے لئے اپنی تمام طاقتیں لگا دیں گے،

کچھ ضروری تو نہ تھا کہ ان سات کروڑ اچھوتوں کی حالت زار کے متعلق کچھ اور بھی لکھا جائے کیونکہ مس میو اور الگزینڈر پال کے حوالہ بالا بیانات ان کی پسماندگی اور مظلومی پر کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔ مگر اس خیال سے کہ ہمارے مسلمان بھائیوں مسلمان بہنوں اور مسلمان بچوں کے دل میں انکی حالت سنوارنے کے لئے زیادہ سے زیادہ احساس پیدا ہو۔ ہم ذیل میں چند ایسی کہانیاں نقل کرتے ہیں جو خود ہندوؤں نے لکھی اور شائع کی ہیں۔

یہ کہانیاں محض کہانیاں نہیں بلکہ ان میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ واقعات پر مبنی ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ بعض اوقات ایسے واقعات بھی رونما ہو جاتے ہیں جو ان کہانیوں میں بیان کردہ واقعات سے بھی کہیں زیادہ رقت انگیز اور خون کے آنسو رلانے والے ہوتے ہیں امید ہے کہ ان کہانیوں کو پوری دلچسپی اور توجہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ تاکہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو کہ اس آزادی۔ تہذیب اور روشنی کے زمانہ میں بھی ان لوگوں کی حالت کتنی زار و نزار اور قابل رحم ہے۔ اور جن لوگوں سے ان کا واسطہ آپڑا ہے وہ کس قسم کی ذہنیت کے مالک ہیں ان کہانیوں کے پڑھنے سے صرف اچھوتوں کی قابل رحم حالت کا ہی اندازہ نہ ہوگا بلکہ انہیں یہ بھی پتہ لگ جائے گا کہ جو لوگ اپنے آپ کو ان کا حامی اور مددگار بتلاتے ہیں اور سٹیج پر چڑھ چڑھ کر اور اخباروں میں شور مچا کر

ان کی [illegible] اور بہتری کے راگ الاپا کرتے ہیں۔ وقت آنے پر وہ کس طرح تبدیل ہو جاتے ہیں ان کا اچھوت ادھار کے لئے شور مچانا محض واہ واہ حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ دل سے۔

ناظرین کی سہولت کے لئے ہم نے بعض جگہ مشکل ہندی الفاظ کی جگہ اُردو الفاظ لکھ دیئے ہیں۔ اور چند ایک کے عنوانات بھی خود تجویز کئے ہیں۔ اور دو تین جگہ [illegible] الفاظ کچھ عبارتیں بھی حذف کر دی ہیں۔ مگر اسکی وجہ سے قصے کے تسلسل اور دلچسپی میں فرق نہیں آنے پایا۔

یہ کہانیاں جس جس اخبار سے نقل کی گئی ہیں اُن کے اور لکھنے والے اصحاب کے نام بھی لکھ دیئے گئے ہیں۔ (مرتب)

لیکن قبل اس کے کہ ہم انہیں نقل کریں۔ پہلے ان تمام نیکدل۔ شریف اور رحمدل ہندو اصحاب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنہوں نے اچھوتوں کی حالت زار سے متاثر ہو کر یہ کہانیاں لکھیں اور لوگوں کو انکی اصلاح کیطرف متوجہ کیا۔ ہمیں [illegible] ہے کہ ان کہانیوں کا مطالعہ کر لینے کے بعد ہمارے ناظرین بھی ان احباب کی اس محنت اور ہمدردی کی داد دیئے بغیر نہ رہیں گے۔

***

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۱) نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دو خون

مغرور برہمن کے سر پر

ایک سبق آموز ڈرامہ - ایک سین میں

(چند مغرور برہمنوں کی ٹولی ایک مندر کے صحن میں)

پنڈت دھرم چند۔ بھائیو! آپ نے سنا۔ اچھوت لوگ خلاف دھرم کام پر تلے ہوئے ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ دھرم استھانوں میں جانا ان کے لئے بھی ایسا ہی کھلا ہے جیسا ہمارے لئے۔

گیان چند۔ نہیں جی وہ پاگل ہو گئے ہیں۔ بھلا دھرم میں کبھی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ ہمارا تو سناتن دھرم جو پراچین کال سے چلا آیا ہے۔ اس میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتا۔ بھلا ان اچھوتوں کی بساط ہی کیا ہے۔ ہمارے مقابلہ میں آئیں تو سہی۔

دھرم چند۔ ٹھیک ہے مہاراج۔

اندر چندر۔ معلوم ہوتا ہے۔ برہمنوں کے مقابل آکر وہ خود تباہ ہونا چاہتے ہیں۔ مندروں اور دھرم استھانوں میں سوائے براہمن کے اور کسی کو جانے کا اختیار نہیں۔ یہ شاستروں کا فتویٰ ہے۔

دھرم چند۔ ہاں شاستروں میں تو یہی لکھا ہے۔ تو وید بھگوان میں آیا ہے۔ "براہمن برہما کے مکھ سے پیدا ہوا"

گیان چند۔ اور جو لوگ اس خدائی کلام کے خلاف جاتے ہیں وہ پاپ کرتے ہیں۔ ایشور نے براہمن کو ہی دھرم کا ٹھیکہ دار مقرر کیا ہے۔ اور پھر شودر تو دراس سنسار دنیا میں آیا ہے اس کا کام صرف خدمت کرنا ہے۔ اور بس۔

اندر چند۔ کسی نے ان اچھوتوں کے دماغ میں "آزادی" کا خیال پیدا کر دیا ہے۔

دھرم چند۔ زمانہ کی رفتار ہی ایسی ہے۔ سبھی جگہ آج ایسا ہی نظر آرہا ہے۔ مگر یہ دھرم کی بات ہے۔ اس میں کون ہے جو دخل دے سکے۔ ہم اور سب کچھ برداشت کر لینگے مگر اچھوتوں کو دیو مندروں میں جانے۔ براہمنوں کے بھوجن کو ہاتھ لگانے۔ براہمن سے چھونے۔ انکے کنوؤں سے پانی بھرنے کی اجازت دھرم نہیں دیتا۔ ہم کیسے دیں۔

ایک عیسائی شدہ اچھوت داخل ہوتا ہے)

عیسائی۔ کہئے پنڈت جی کیا ہو رہا ہے (پنڈت کھڑے ہو گئے)

دھرم چند۔ ان پاپیوں کا حال۔

عیسائی۔ یعنی

دھرم چند۔ جو اچھوت لوگ ہیں معلوم ہوتا ہے انکے دماغ بگڑ گئے ہیں بھلا ہمارا کیا اختیار ہے۔ جو دھرم کے رائج کردہ قانون میں رخنہ ڈالیں دھرم نے انہیں اچھوت اور شودر بنا دیا۔ ہم انہیں ایسا ہی کہیں گے۔

عیسائی۔ مگر پنڈت جی معاف کریں۔ ان لوگوں نے کیا گناہ کیا جو آپ ان سے اس قدر دور بھاگتے ہیں۔

اندر چند۔ یہی کہ وہ اچھوت ہیں۔

عیسائی۔ کس طرح؟ (مسکرا کر) معاف کیجئے میں انکی وکالت نہیں کرتا
گیان چند۔ کس طرح؟ یہ آپ نے عجب سوال کیا ہے۔ اچھوت کس طرح ہوتا ہے۔ آپ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے؟

دہرم چند۔ اور آپ تو خود بھی اچھوت رہ چکے ہیں۔

عیسائی۔ پنڈت جی سچ پوچھئے تو میں اچھوت کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہوں۔ کیا اس لئے کہ ایک انسان پر پیدا ہوتے وقت کوئی خاص نشان ایسا نہیں ہوتا جسکی بنا پر اسے اچھوت قرار دیا جائے۔

گیان چند۔ اس کے ماتا پتا جو اچھوت ہوتے ہیں۔

عیسائی۔ تو یہ ضروری نہیں کہ اچھوت کا پتر اچھوت ہی ہو۔ اگر اسکو تعلیم دی جائے تو بہترین پنڈت بن سکتا ہے۔ کیا والمیکی کے متعلق آپ نے نہیں سنا۔

گیا نچند۔ وہ تو ایسا ہی ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ اچھوت آخر اچھوت ہی ہے ہم اس سے ووہار (کاروبار) کیسے کریں؟

عیسائی۔ مگر آپ کا ہرج کیا ہے؟

اندر چند۔ آپ بال کی کھال نہ اُتاریئے۔

دہرم چند۔ ہم اچھوتوں کو اپنے مندر میں نہیں آنے دینگے۔

عیسائی۔ نہ دیجئے۔ مگر وجہ بھی؟

دہرم چند۔ یہ کہ ہم بھرشٹ (ناپاک) ہو جائیں گے۔

عیسائی۔ مندروں میں کیوں نہیں آنے دیتے؟

اندر چند۔ دیوتا لوگ ناراض ہوتے ہیں۔

عیسائی۔ بھائی۔ دیوتا تو گرے ہوؤں کو اُٹھاتے ہیں[۱]۔ اچھوت گرے ہوئے ہیں۔ اگر ان کا اُدھار چاہتے ہو تو دیوتاؤں سے ملنے دو۔

دہرم چند۔ یہ ہمارے اختیار سے باہر ہے[۲]

عیسائی۔ وہ تمہارے رحم پر ہیں۔

دہرم چند۔ آپ مطلب کی بات کیجئے۔ دہرم اپنر رحم نہیں کرتا۔ پھر ہم کیسے کریں؟

عیسائی۔ اچھا تمہاری مرضی۔ (چلا گیا)

(ایک اچھوت مع اپنی چھوٹی لڑکی کے داخل ہوتا ہے)

اچھوت۔ پنڈت جی رام رام۔

گیان چند۔ ابے تم کون؟ جاؤ۔ جاؤ۔ جاؤ۔ دہرم استھان میں قدم کیوں رکھا؟

اچھوت۔ پنڈت جی غصہ نہ کیجئے۔ زمین آپ کی نہیں نہ آپ کے باپ دادا کی ہے۔ یہ ایشور کی دہرتی ہے۔ اسپر چلنا ہر ایک جاندار کا حق ہے۔ اور پھر یہ دہرم مندر ہے آپ کو کیا حق کہ ایک ایسے شخص کو جو ہندو ہے ہندو رسومات پر عمل کرتا اور ہندو شاستروں کا پاٹھ کرتا ہے۔ مندر میں داخل ہونے سے روک سکیں۔ اگرچہ آپ چند روز "ہٹ دہرمی" کا راجیہ کریں تو آپکی زبردستی ہے ورنہ اب دہرم کے نام پر آپ دوسروں کو غلام نہیں رکھ سکتے۔

---

[۱] ہندو لٹریچر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دیوتا بھی اچھوتوں کو اپنی زندگی میں مساوات کا حق دینے پر راضی نہ تھے۔

[۲] کیونکہ دہرم شاستروں کا صریح حکم موجود ہے کہ اچھوتوں کو مندروں میں آنے کا اختیار نہیں۔

دہرم چند۔ کیسا شوخ چشم شخص ہے۔ کیا تڑاق تڑاق زبان چلتی ہے کیا تم یہاں شاستر ارتھ (مباحثہ) کرنے آئے ہو؟

اچھوت۔ آیا تو اس لئے نہیں تھا۔ لیکن آپ نے سچی سچی باتیں سنانے پر مجبور کر دیا۔ ابھی آپ کا جادو ہندو قوم کے دماغوں پر قائم ہے۔ کچھ عرصہ اور ہم غریبوں کو ستا لو۔ مگر یاد رکھو یہ سماں بدل جائے گا۔ نہ تم ہو گے نہ ہم اچھوت

اندر چند۔ (گیان چند سے) اسے ٹالو۔ یہاں سے نکال دو۔ خواہ مخواہ کی مصیبت مول کیوں لیتے ہو؟

اچھوت۔ (یہ سنکر) سرگوشیاں کرتے ہو۔ یہ تمہاری کمزوری کی روشن دلیل ہے۔ اچھا جانے دو۔ مجھے اور میری بچی کو پیاس نے سخت تنگ کیا ہے۔ دو گھونٹ پانی اس کنوئیں سے پی لینے دو۔ پھر ہم چلے جائینگے۔

گیان چند۔ توبہ توبہ۔ اچھوت اور براہمنوں کے کنوئیں سے پانی پی لیو؟ یہ ناممکن ہے۔ کبھی نہ ہوگا۔

اندر چند۔ اگر ایسا ہونے لگے تو دنیا میں اندھیر مچ جائے زمین آسمان الٹ پلٹ ہو جائیں۔ سورج دیوتا نکلنا بند کر دیں۔ نہیں۔ نہیں۔ دہرم میں وگھن (رخنہ) پڑ جائے۔

دہرم چند۔ یہ کسی کو کب گوارا ہے؟

گیان چند۔ نہیں جی اسے نکال دو۔ ابے جا رے جا۔ باتوں سے برہمن کو بھرشٹ نہ کر۔

اچھوت۔ پنڈت جی مہاراج۔ یدھشٹر نے اپنے کتے کے لئے بہشت میں جانے سے انکار کر دیا تھا۔ کرشن نے غریب شدر اماں کو چھاتی سے لگا لیا تھا۔ اور رامچندر نے دکھن دیش کی بانر (بندر) جاتی سے پریم پیدا کر لیا تھا۔

کیا وہ دہرم کے خلاف چلتے تھے؟

گیان چند۔ ہمیں عقل ٹھکانے ہے کہ نہیں۔ تم تو اچھوت ہو۔

اچھوت۔ اچھا اتنا بتلا دو۔ کرشن نے نائی کا روپ اختیار نہیں کیا تھا؟

اندر چند۔ باتیں کیوں بناتے ہو۔ جاؤ اپنا رستہ دیکھو۔ مندر کے کنوئیں میں تمہارے لئے پانی نہیں۔

اچھوت۔ آپ خود ہی نکالکر پلا دیں۔

گیان چند۔ ارے الو۔ مغز پچی نہ کرو۔ جاؤ کنواں خشک ہو گیا ہے۔

اچھوت لڑکی۔ (باپ سے لپٹ کر) پتا جی۔ پانی +

اچھوت (براہمنوں سے) دکھیوں پر ترس کھاؤ۔ سنگدل انسانو اگر ایک ہندو پر رحم نہیں آتا تو ایک انسان پر بلبلاتے ہوئے بچے پر ترس کھاؤ۔ ڈرو پرماتما سے۔ ڈرو جس نے تمہیں اور ہمیں سب کو پیدا کیا ہے اے دہرم کے ٹھیکدارو اس پتا کے سامنے کیا جواب دو گے؟ کیا تمہارے ہاتھ دو گھونٹ پانی بھی اس بچے کے منہ میں ڈالنے کیلئے طاقت نہیں رکھتے۔

سارے براہمن۔ نہیں۔ نہیں۔ بکواس بند کرو۔

گیان چند۔ جاؤ وہ سامنے اچھوتوں کا الگ کنواں ہے۔

اچھوت۔ ایشور تمہیں اس ظلم کا پھل دیں گے۔

(اچھوت مع اپنی لڑکی کے اچھوتوں کے کنوئیں سے پانی پینے گیا)

اچھوت (اپنی لڑکی سے) آؤ بچہ پانی نکال دوں۔ (وہ پانی نکالتا ہے اسکی لڑکی کنوئیں میں گر جاتی ہے۔ وہ دوڑتا ہوا پھر برہمنوں کے پاس آتا ہے)

اچھوت۔ پنڈت جی۔ پہنچو۔ پہنچو۔ میری لڑکی کنوئیں میں گر گئی ہے۔ ایشور کے نام پر دُہائی دیتا ہوں۔ میری لڑکی کو کنوئیں سے باہر نکال دو۔ ہائے مہاراج میں مر گیا۔

اندر چند۔ ارے تم ہمارا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتے۔

گیان چند۔ اچھا ہُوا جو گر گئی۔ براہمن سے تکرار کرنے کا پھل تمہیں مل گیا۔

دھرم چند۔ اجی ہاتھ پر سرسوں جمانا اس کو کہتے ہیں۔

اچھوت۔ مہاراج کرپا کرو۔ آپ کرپا ندھان (رحم مجسم) ہیں۔ میری لڑکی مر رہی ہے۔ نہیں۔ نہیں ایک ہندو لڑکی اَن آئی موت مرتی ہے۔ ہندو جاتی کے محافظو آؤ۔ بچاؤ مجھ پر نہیں تو ایک معصوم لڑکی پر ہی ترس کھاؤ۔

دھرم چند۔ ارے پاگل آدمی۔ کسی اور سے جا کر کہو۔ ہم براہمن۔ اچھوت لڑکی کو کیسے نکالینگے؟ اوّل تو اچھوتوں کے کنوئیں پر پاؤں رکھنا پاپ ہے۔ پھر اچھوت لڑکی باہر نکالیں تو بغیر چھوئے۔ ہم تو ایسا نہیں کر سکتے۔ اور تم جانتے ہو۔ براہمن کا ہاتھ اچھوت کے جسم سے کیسے چھو سکتا ہے؟

اچھوت۔ مہاراج۔ میں پردیسی ہوں۔ میری کنیا کی جان جاتی ہے۔ کیا براہمن کے ڈر سے مایوس چلا جاؤں؟ کیا آپ میری مدد نہیں کر سکتے؟ کیا آپ کا دل نہیں پسیجا۔ دیکھو رات ہو رہی ہے۔ آہ۔ میری پیاری بچی کا کنوئیں میں کیا حال ہوگا؟ ہائے کیا وہ مر گئی ہوگی؟

۵ وہ دل ہی کیا کہ جس پہ فغاں کا اثر نہ ہو
روتے ہوؤں کا دارُوئے دردِ جگر نہ ہو

اتنے میں آوازیں آئیں۔ شیر۔ شیر۔ بھاگو۔ بھاگو۔ جان بچاؤ۔ شیر آگیا۔ سارے براہمن دوڑ کر مندر کے اندر چلے گئے۔ ایک شیر دوڑتا ہُوا مندر کے

اندر داخل ہوتا ہے۔ اچھوت بھی اپنی جان بچانے کی کوشش میں مندر کے دروازے کیطرف دوڑتا ہے)

گیان چند۔ (دوسرے برہمن سے) بند اور جلدی بند کرو اچھوت اندر نہ آنے پائے۔

اچھوت۔ بھگوان۔ مجھے اندر آنے دو۔ شیر کھا جائے گا۔

پنڈت۔ پرے۔ پرے۔ پاپی۔ مندر کو بھرشٹ نہ کرنا۔ (پنڈتوں نے دروازہ بند کر لیا۔ شیر نے اچھوت پر حملہ کیا۔ عین مندر کے دروازہ پر اچھوت نے سر سے ٹکریں ماریں۔)

اچھوت۔ ظالمو! دروازہ کھولدو۔ ورنہ میرا اور میری لڑکی کا خون تمہارے سر ہوگا۔ وہ تو مرچکی۔ اب میں بھی مرتا ہوں۔ شیر پھاڑ کھائے گا۔ گرپا دیر کرو۔ ایشور دیکھتا ہے۔ یہ ظلم اُسے گوارا نہیں ہوسکتا وہ ضرور آئے مٹائے گا۔ اور تم بھی ساتھ ہی مٹ جاؤ گے (شیر نے پھر حملہ کیا) ہائے کوئی بچائے۔ ایشور! کیا تیرے مندروں میں غریب کی مدد کرنے والا کوئی .... (شیر نے پھر حملہ کیا اور اچھوت کو گرالیا) آہ میری تڑپ۔ یہ آسمان کیسے دیکھ ..... ہائے ایشور (شیر نے گردن سے دبوچ لیا۔ ایک دردناک نظارہ)

(جناب مہاشہ نانک چند جی ناز)

منقول از اخبار پرتاپ

۱۷۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء

(۲)

آخر بھنگی سے معافی مانگنا پڑی

اس کہانی کے پڑھنے سے معلوم ہو گا کہ اچھوت اگر اعلیٰ ذات والوں کی جان بچانے کے لئے بھی ان سے چھو جائے۔ تب بھی وہ مجرم اور قصوروار سمجھا جاتا ہے۔ اور اسے سزا دلانے کے لئے سرکاری آفیسروں پر بھی زور دیا جاتا ہے۔ (مرتب)

جیتل پور معمولی خواب کی حالت سے بیدار ہو گیا۔ اس میں ایک ہلچل مچ گئی ہر شخص کی زبان پر یہی الفاظ تھے کہ ننھو بھنگی نے بلونت سنگھ کے مکان کی صفائی کرنے سے انکار کر دیا۔

پنا لال بنیا۔ (جو گاؤں میں غلہ فروشی کی دکان کرتا ہے) ان نیچ لوگوں کو موتی رام نے خراب کر دیا۔ جو کبھی کبھی احمد آباد سے کھدر کی ٹوپی پہنکر آتا اور ان کو یہ سبق پڑھاتا ہے کہ "وہ ہیسے ہی اچھے لوگ ہیں جیسے کہ بنئے۔

جے کور (بنئے کی بیوی تھراتی ہوئی آواز میں زور سے سر ہلا کر) اب کے جو موتی رام آیا تو میں اس کی نسبت جو خیالات رکھتی ہوں وہ اس پر ظاہر کر دونگی۔

پوہت (مندر کا موٹا تازہ پجاری) موتی رام بے سمجھ ہے۔ ایک بھنگی ایک براہمن کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو شاستروں کے ورودھ (خلاف) ہے

بنیا۔ (نبااگ کے لہجہ میں) ارے بھائی ہم تو کلجگ میں پیدا ہوئے ہیں۔

(۲)

سہ پہر کو گاؤں کا مکھیا (نمبردار) جو را بھائی تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ اور بڑی کڑی نگاہوں سے ایک شخص کو دیکھ رہا تھا جو اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا رنگ

لکھیا کے رنگ سے صاف تھا۔ اور اُسکی خط و خال بھی لکھیا سے اچھے تھے۔

جورا بھائی۔ (سختی کے لہجہ میں) جو کچھ میں نے سُنا ہے۔ کیا سچ ہے۔ کیا تُونے بلونت سنگھ کے صحن میں جھاڑو دینے سے انکار کر دیا ہے"

نتھو۔ "ہاں۔ مائی باپ" یہ جواب شانتی سے اُس نے دیا۔ نہ اُسکی آواز اور نہ اُس کے انداز میں کوئی خوف تھا اور نہ ہچکچاہٹ تھی۔

جورا بھائی۔ تو نے انکار کیوں کیا۔ گدھے؟ بلونت سنگھ اپنے مکان میں کس طرح رہ سکتا ہے۔ جبکہ تو اُسکی صفائی سے انکار کرتا ہے۔ تجھ میں جو ذرا سی سمجھ تھی۔ کیا وہ تجھے جواب دے گئی؟

نتھو بھنگی۔ (جھک کر۔ اور اُلٹے گھٹنے پر ضرب دکھا کر) حضور والا کل اُس نے میرے ایک پتھر کھینچ مارا۔ کیونکہ میں نے اُسکی بھتیجے کو خندق میں گرنے سے رُکنے کی خاطر اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔"

جورا بھائی۔ (حیرت سے) خندق میں گرنے سے؟

نتھو۔ (ہاتھ جوڑ کر) ماں باپ جی۔ پرتاپ (لڑکا) ایک تتلی کو پکڑنے کے لئے بے تحاشہ اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ اسے یہ بھی خبر نہ تھی کہ سامنے خندق ہے۔ اگر میں اسے پکڑ نہ لیتا تو وہ اس میں اوندھے مُنہ گر پڑتا۔

(۱۷)

لکھیا کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ مگر صرف لمحہ بھر کے لئے۔

جورا بھائی۔ (ذرا دانائی سے) تو اُسے چلا کر کہہ دیتا کہ سامنے خندق ہے اور وہ رُک گیا ہوتا۔ تجھے اس کو چھونا نہیں چاہیئے تھا یہ جانتے ہوئے کہ تو بھنگی ہے۔

نتھو۔ (دلیری سے) اگر میں بھنگی ہوں تو کیا مضائقہ۔ بلونت سنگھ یا

کسی اور شخص کی طرح میں بھی انسان ہوں۔

چورا بھائی۔ (حقارت سے چلا کر) کیا اُس سفید ٹوپی والے موتی رام نے تجھے یہ سبق پڑھایا ہے؟

ننھو۔ (کیا کیفیت دیکھ کر) ہاں۔

چورا بھائی۔ وہ بیوقوف ہے۔ اس کے خیالات غلط اور بے بنیاد ہیں۔

ننھو۔ اُس نے تو یہ خیالات مہاتما گاندھی سے سیکھے ہیں۔

(۴)

چورا بھائی کو بڑی پریشانی کا سامنا ہوا۔

چورا بھائی۔ (لمحہ کے بعد) مگر یہ خیالات تو غلط ہیں۔ بعض وقت تو مہاتما جی بھی غلطی کر جاتے ہیں۔ (اور بزرگانہ طریقہ میں) بہتر ہے کہ بلونت سنگھ کے یہاں جاؤ۔ اور سمجھدار ونیک طرح اس کا مکان صاف کر دو۔

ننھو۔ جب تک وہ مجھے مارنے کے عوض اظہار افسوس نہ کرے میں صفائی نہیں کرنے کا۔

چورا بھائی۔ اظہار افسوس؟ بلونت سنگھ جیسا راجپوت تجھ جیسے لفنگے کو مارنے کے عوض اظہار افسوس کرے۔

ننھو۔ خاموش رہا۔

چورا بھائی۔ (دھمکی سے چلا کر) تجھے فوراً بلونت سنگھ کے گھر جا کر جھاڑو دینی ہوگی۔ ورنہ جب کل فوجدار صاحب یہاں آئینگے تو مجھے ان سے کہنا پڑے گا۔ تیری کچھ خیر نہیں۔

(۵)

ننھو نے بیٹھ موڑی اور چلتا بنا۔

اُس شام کو گاؤں میں ایک ایک کی زبان پر یہی تھا کہ نتھو نے مکھیا کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ یہ معاملہ گاؤں میں تاریخی واقعہ قرار دیا گیا۔

بجے کور۔ (شام کو مکان میں چراغ روشن کرتے ہوئے) "سورج پچھم سے نکل رہا ہے"

پنّالال۔ (یقین کے لہجہ میں) نتھو کے لئے سوائے نرک (دوزخ) کے اور کوئی جگہ نہیں۔

(۶)

دوسری صبح نائب فوجدار (اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس) گاؤں میں آیا۔ اُس نے نتھو بھنگی کے رویہ کی بابت مکھیا کا روزنامچہ۔ اور جو کچھ مکھیا نے زبانی کہا وہ بھی سُن لیا۔

جورا بھائی۔ (بطور مشورہ) فوجدار صاحب! اسے ایسی سخت مار لگائی جائے کہ اسے اس قسم کی گستاخی کا کبھی خواب میں بھی خیال نہ آئے۔

فوجدار۔ (سر ہلا کر) میں یہ نہیں کرنے والا۔

جورا بھائی (حیرت سے اور سنبھل کر) کیوں؟

فوجدار۔ (غصہ کے لہجہ میں) کیوں؟ آپ کہتے ہیں کہ کیوں۔ ایک آدمی کو اس لئے سزا دی جائے کہ اُس نے ایک لڑکے کو خندق میں گرنے سے بچالیا! یہ کہکر فوجدار نے قہقہہ لگایا۔

جورا بھائی۔ مگر اس کے چھونے سے تو لڑکا ناپاک ہوگیا۔

فوجدار۔ تمہارے نقطۂ خیال سے ممکن ہے۔

جورا بھائی۔ فوجدار صاحب۔ آپ تو براہمن ہیں۔ آپ ایسی باتیں کرتے ہیں۔ یہ الفاظ کہہ کر مکھیا کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور منہ کھلا ہوا۔

فوجدار۔ (اپنی جگہ سے اُٹھ کر اور باہر جاتے ہوئے) کیوں نہ کروں۔ ایشور کی نظروں میں تو ہم سب برابر ہیں۔

(۷)

فوجدار نے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے ایڑ لگائی۔ اور جبیل پور چلتا بنا۔ اس شام کو گاؤں کے لوگ دبی زبان سے صرف ایک ہی بات کا تذکرہ کرتے تھے۔ یہ کہ بلونت سنگھ نے نتھو سے اُسے پتھر مارنے کے عوض معافی مانگ لی ہے لوگوں کے دلوں میں کوئی نامعلوم سا خوف بیٹھ گیا۔ ان کو حیرت تھی کہ کہیں قیامت تو نزدیک نہیں ۔۔۔ جب تک ایشور کی یہ مرضی نہیں کہ یہ دُنیا فنا ہو جائے اُس وقت تک ایسی بات کیوں کر ہو سکتی ہے[۱]

---

(۳) ایک اچھوت کی سرگذشت

ببنی چمار سے ڈیوڈ صاحب کیسے بنا

شکر داچمار اپنی جھونپڑی میں بیٹھا نارجیل پی رہا تھا۔ قریب ہی اس کا اکلوتا لڑکا ببنی جسکی عمر قریبًا دس سال کی ہوگی۔ کھیل رہا تھا۔ ببنی کے سوا شکردا کا اس دنیا میں کوئی اپنا نہ تھا۔ وہی اب اسکی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کا چراغ اور ضعیفی کا سہارا تھا۔ دن بھر کی محنت مزدوری سے جو کچھ مل جاتا۔ اس میں وہ تو

---

[۱] از مانچسٹر گارڈین (منقول از اخبار پرتاپ ۱۰۔ اپریل ۲۷ء ص۱۵)

کا خرچ چلتا۔ لیکن دو دن سے اُسے مزدوری نہ ملی تھی۔ کیونکہ آجکل وہ گاؤں کے زمیندار پنڈت رام پرشاد اوستھی کے یہاں بیگار کر رہا تھا۔ زمیندار کو سرکار نے رائے صاحب کا خطاب دیا تھا جسکی خوشی میں بڑا جشن منایا جا رہا تھا۔ حاکموں کی دعوت ہو چکی تھی اور صبح کو پنڈتوں کا بھوج (کھانا) ہونے والا تھا۔ دن بھر کی بیگار سے فرصت پاکر تھوڑی دیر ہوئی۔ شکروا نے چھٹی لے کر اپنی جھونپڑی میں قدم رکھا تھا کہ بیٹی نے باپ کے گلے میں لپٹ کر کہا۔

" بابا موکا (مجھ کو) نئی دھوتی منگا دو "

شکروا نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا " مالک کے یہاں کام ختم ہو جائے تو کچھ انام (انعام) ملی۔ وہی ماں توکا (اس میں تجھ کو) دھوتی منگائے دیہوں (منگا دوں گا) "

بیٹی نے بال ہٹ سے کام لیا " اوں ہوں ہم ابھین لیہوں (ابھی لونگا) مالک کے یہاں سب لوگ نیک نیک (اچھے اچھے) کپڑا پہنے ہیں۔ ہم ہوں پہنت (ہم بھی پہنینگے) "

مگر یہ طفلانہ ضد کسی راج کنور یا رئیس زادہ کی نہ تھی بلکہ ایک فاقہ کش غریب چمار کے لڑکے کی تھی۔ شکروا نے کہا۔ پاگل نہ بن۔ ہم گریب وہ امیر ہمارا ان کا مقابلہ؟ وہ چاہیں تو دن ماں (میں) بار بار کپڑا بدلیں۔ ہم ان کی ریس کیسے کر سکت ہیں "

بیٹی نے بھولے پن سے کہا۔ " ہم کا گریب ان کا امیر کو بنائس ہے ؟ (ہمیں غریب اور ان کو امیر کس نے بنایا ہے ؟)

" ہا ہا ہا " شکروا نے قہقہ مار کر کہا " تو بڑا پاگل ہے بھگوان نے بنایا

ہے۔ اور کون بنا سکتا ہے۔

تو بھگوان (خدا) ہم کو امیر کاہے ناہیں بنائن۔

ہمار (ہماری) کون خطا اہی "

"رب رام جانیں۔ اگلے جنم میں ہم سے کچھ اپرادھ (گناہ) ہوئے گا ہوئی (ہوا ہوگا) وہی کی سزا ملی ہے)"

"تو اگر ہم سے بھگوان راجی ہو جائیں تو ہم سو کا امیر کردیں (اگر ہم سے اللہ راضی ہو جائے تو کیا وہ ہم کو امیر کر دے گا) " اور نہیں تو کیا۔ بھگوان کے ہاتھ میں تو سب کچھ ہے" "تو بھگوان کیسے کھوس ہوت ہیں (کیسے خوش ہوتے ہیں)" "پوجا پاٹ سے"، "تو ہم پوجا پاٹ کرب (تو ہم بھی پوجا پاٹھ کریں گے)

"پر ہم مندر میں نہیں گھس سکت" (لیکن ہم مندر میں نہیں گھس سکتے) "کاہے" ؟ (کیوں")

"ہم لوگ اچھوت ہیں۔ پنڈت لوگ کہتے ہیں کہ ہم مندر میں گھست تو مندر ناپاک ہو جائی۔"

نادان بچہ اچھوت کی فلاسفی کو نہ سمجھ سکا۔ وہ تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ "تو کا بھگوان مندر سے ماں رہت ہیں" (تو کیا ایشور مندر میں رہتے ہیں اور کہیں نہیں)"

"نہیں بھگوان تو ہر جگہ ہیں"

"تو ہوں ہوں اپنی جھونپڑیا ماں ایک چھوٹا سا مندر بنیہوں اور بھگوان کی پوجا کرہیوں۔ تم دیکھ لیہو۔ بہت جلد امیر ہو جات" (میں ابھی اپنی جھونپڑی میں ایک چھوٹا سا مندر بناؤں گا۔ اور بھگوان کی پوجا کیا کروں گا تم دیکھ لینا۔ بہت

جلد امیر ہو جائیں گے)

" مدد بغیر پنڈت کے پوجا کیوں نہ ہوئی (لیکن کسی پنڈت کی مدد کے بغیر پوجا قبول نہ ہوگی)

بیٹی کا دل ٹوٹ گیا۔ وہ اور کچھ پوچھ ہی نہ سکا۔ اتنے میں کسی نے باہر سے آواز دی " ابے او شکروا " باہر نکل کر شکروا نے دیکھا۔ زمیندار کا پیادہ داتا دین کھڑا ہے۔ شکروا نے ادب سے پوچھا۔ " مہاراج کا کیا حکم ہے "

" اسٹیشن تک جانا ہوگا۔ وہاں سے کچھ سامان آئے گا۔ " " ابھی " (ابھی) " ہاں بے ابھی مالک کا حکم ہے فوراً شکروا کو بھیجدو۔ "

" سرکار ابھی تو دن بھر کے بیگار سے واپس آئے ہوں "

" یہ میں نہیں جانتا۔ بیٹے تجھے مالک کا حکم سنا دیا ہے۔ اگر تو ابھی اسٹیشن نہیں جائے گا تو پھر خیر نہیں ہمیشہ مزے اڑاتے ہو۔ اب ذرا مالک کا کام پڑا۔ تو رونے لگے تم تو جوتوں سے کام کرتے ہو۔ "

یہ کہہ کر مہاراج داتا دین اپنی لوہ بندی لاٹھی کاندھے پر رکھ کر اکڑتے ہوئے چل دیئے۔ اور شکروا آسمان کیطرف حسرت سے دیکھ کر رہ گیا۔ دن بھر بیگار میں رہا سمجھتا تھا کہ رات کو آرام ملے گا۔ مگر غریبوں کی قسمت میں آرام کہاں وہ تو اسی لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ تکلیف اٹھا کر امیروں کو آرام پہنچائیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم ہندوستان میں انہیں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

شکروا نے کچھ چبینا (چنے) بیٹی کو دیکر اسے کٹھری (فرش) پر لٹا دیا۔ اور خود اسٹیشن کیطرف روانہ ہوگیا۔

رائے صاحب رام پرشاد اوستھی کے مکان کے سامنے ایک عالیشان شامیانہ لگا ہُوا تھا۔ نو بجے کا وقت ہوگا۔ پنڈتوں کو بھوج دیا جا رہا تھا۔ پنڈت کون تھے۔ بڑے بڑے نام دھاری جن کی چوٹیاں کنوئیں سے پانی کھینچ لا سکتی تھیں۔ جن کے تلک آسمانی قوس و قزح کو بھی مات کرتے تھے۔ جو بظاہر غریب برہمن بنے ہوئے تھے۔ لیکن جنکے گھروں میں سونا برستا جو دعوتیں کھا کھا کر اتنے موٹے ہو گئے تھے کہ دو قدم چلنے میں بھی انہیں تکلیف ہوتی تھی۔ اس قماش کے برہمن آج نطفہ وار رائیصاحب رام پرشاد اوستھی کے یہاں گرم گرم پوریاں۔ خستہ کچوریاں اور انواع و اقسام کی مٹھائیاں کھا رہے تھے۔ تھال انکے سامنے آتے اور وہ بغیر ڈکار لئے اڑائے جاتے تھے۔

ان سے کچھ دُور پر چند فاقہ کش۔ نیچ ذات والے بیگاری مزدور جنہیں پنڈتوں نے اچھوت کا خطاب دے رکھا ہے۔ حسرت بھری نظروں سے پنڈتوں کی توند کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے لئے نہ پوریاں تھیں نہ کچوریاں۔ پنڈتوں کو کھلانے سے تو دیوتا خوش ہوتے ہیں لیکن نیچوں کو کھلانے سے تو کسی کو کوئی فائدہ کی اُمید نہ تھی۔ شکرو اچار کو رات پھر اسٹیشن پر ہی بیٹھا پڑا تھا وہ تھوڑی دیر ہوئی مہمانوں کا سامان لے کر گاؤں میں واپس ہُوا تھا۔ اور اب تک اُسے گھر جانے کی اجازت نہ ہوئی تھی۔ وہ ایک طرف لنگوٹی باندھے چپ چاپ کھڑا تھا کہ ایک تلک دھاری پنڈت شیو شنکر لٹیا میں گنگا جل لئے کھڑاؤں پہنے رام نام کی مالا جپتے ہوئے اس طرف سے نکلے۔ وہاں کی زمین کچھ اونچی نیچی تھی۔ پنڈت لڑکھڑائے۔ اور ان کا بدن شکرو اچار سے چھو گیا۔ بات معمولی تھی۔ پنڈت اپنے گھر کی مرمت اچھوتوں ہی سے کراتے تھے۔

مہاراج ان کا ڈول چمار ہی اُٹھاتے تھے لیکن اسوقت ان کے ہاتھ میں گنگا جل تھا۔ وہی گنگا مائی کا جل جس سے ساری دنیا سیراب ہوتی ہے۔ جس میں بھنگی چمار برہمن سب اشنان کرتے ہیں۔ وہی گنگا جل۔ اپنی لٹیا میں بھر کر خود کو دیوتا سے بھی بڑھ کر سمجھنے لگے۔ غلطی تھی اپنی۔ لیکن قصور بتایا گیا چمار کا۔ شکرو اچار کی یہ مجال کہ پنڈت جی سے اپنا ناپاک بدن چھوا دے۔ جب اس نے پنڈت جی کو اپنے پاس سے گذرتے دیکھا تو وہ ہٹا کیوں نہیں۔ بھری سبھا میں اس نے جان بوجھ کر پنڈت جی کی ہتک کی۔

اب ان کو پھر اشنان کرنا پڑے گا۔ اس قسم کی باتیں سوچکر پنڈت جی شکرو چمار پر برس پڑے۔ پاپی۔ چنڈال۔ بدمعاش غرض پنڈت جی کو جتنی گالیاں یاد تھیں وہ ختم کر دیں۔ قریب ہی تعلقدار صاحب پنڈتوں کی آؤ بھگت میں لگے ہوئے تھے۔ شور و غل سنکر وہ دوڑے آئے اور پنڈت جی سے پوچھا۔

"مہاراج کیا بات ہے" مہاراج نے بگڑ کر کہا "جہاں پنڈتوں کو بھوج دیا جاتا ہے وہاں چماروں کا کیا کام؟ دیکھئے نا اس پاپی نے جان بوجھ کر مجھے چھو لیا۔ اب آپ ہی بتلائیے۔ کہ مجھے غصہ کیوں نہ آئے۔ رام! رام! آپ نے ان چماروں کو بہت سر پر چڑھا رکھا ہے۔"

مہاراج کے آخری جملہ نے تعلقدار اوستھی جی کو آگ بگولا کر دیا۔ انہوں نے شکرو اچار سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی۔ پیادہ کو اشارہ کر دیا کہ "مار سالے کو" وہاں تو حکم کی دیر تھی۔ پیادے تو اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے ایسے موقع تلاش ہی کرتے رہتے ہیں۔ شکرو اچار پر لات گھونسا اور جوتوں کی مار پڑنے لگی۔ شکرو اچار بھوک کے مارے یونہی مرا جاتا تھا۔ مار پڑی تو زمین پر گر کر لوٹنے لگا۔ پیادوں نے سمجھا کہ مکر کر رہا ہے۔ اس لئے

کس کر ایک لات ماری۔ اسکی چوٹ تلی پر لگی اور وہ پھٹ گئی۔ دیکھتے ہی
دیکھتے غریب بھاشکر واس نے دم توڑ دیا۔

جس نے بھی ایسی پیشگوئی کا کسی کو خیال بھی نہ تھا سب لوگ گھبرا گئے
تھوڑی دیر کے لئے تعلقدار صاحب بھی پریشان ہو گئے۔ ان لوگوں کا
تو کوئی غم یا ڈر نہ تھا۔ ایک غریب کی ہتیا (موت) ہو گئی ہے بلکہ اس بات
کا ڈر تھا کہ حکم سخت آ جائیگا کیونکہ انہیں اتہام کیا گیا تھا کہ ... میں ملا دیا ہے
بہت کھانا پکے تھے وہ سب رام رام کہتے ہوئے چلتے گئے جو تیار ہو گئے
وہ اپنے باپ کی جگہ پر بیٹھے رو سکتے تھے۔ برادری ان کو چھوڑ دیتی لیکن
تعلقدار صاحب کے پاس پنڈتوں کو رام کرنے کا نسخہ موجود تھا۔ لکشمی ان
پر مہربان تھی۔ ایسی صورت میں پنڈتوں کو ملانا تعلقدار صاحب کے لئے
مشکل نہ تھا۔ ان کے پاس دولت کی طاقت تھی۔ وہ پنڈتوں کو جیسے چاہتے
نچا سکتے تھے۔ سب سے پہلے تو انہوں نے چماروں کو بلا کر حکم دیا کہ بھاشکر
کی لاش کو لیجا کر فوراً جلا دیں۔ ساتھ ہی دھمکی دی کہ اگر کسی نے پولیس
کو مارپیٹ کی خبر دی تو اس کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر
کسی کی مجال تھی کہ تعلقدار صاحب کی حکم عدولی کرتے۔ سب دم بخود رہ گئے۔ پولیس
کی بابت سے تعلقدار صاحب کو اطمینان تھا۔ پھر بھی انہوں نے تھانہ کے تھانیدار
کی مٹھی گرم کرنے کا بھی انتظام کر دیا۔

ان تمام جھگڑوں سے فرصت پاکر تعلقدار صاحب نے پنڈتوں کے
بیٹھے پوجا کا سامان کیا۔ ان کو روک لیا گیا۔ اور رات کو پھر ان کو بھوج دیا گیا

اور پنڈتوں کے حسبِ منشا جیا دیوتی پر ایک سو ایک روپیہ اور ایک ناریل پڑھا کر دان کر دیا۔ گویا ان کے خیال میں گناہ کا کفارہ ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ادا اُن کی بھا بھی کرائی گئی۔

آٹھ بجے رات کا وقت ہو گا۔ ستیہ نارائن کی کتھا ہو رہی تھی۔ ایک بجے پنڈت جی جتنے ہوں ٹ رام رام کہتے ہوئے ہوئے تھے۔ ٹھکر جی دوں نے اپنی بیوہ لڑکی کی سسرال کا سارا دھن ہضم کر لیا تھا۔ وہ پنڈت جی جس وقت پھولوں سے لدے ہوئے تھے، جھوم جھوم کر ستیہ نارائن کی کتھا کہہ رہے تھے کہ یک بیک "رام نام ست ہے" کی آواز آئی۔ شکرو چمار کی ارتھی (جنازہ) مرگھٹ کی طرف جا رہی تھی۔ کسی نے "رام نام ست ہے" کی آواز زور سے لگا دی۔ پنڈت جی کا کلیجہ دہل گیا۔ وہ ساری کتھا بھول بیٹھے۔ اور یہ کہتے ہوئے چوکی سے اُتر پڑے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ سب کیا کرایا اچھوتوں نے تو ناس میں دم کر دیا۔

تعلقہ دار صاحب نے غصہ سے پیادوں کی طرف دیکھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ چمار کی ارتھی اس طرف سے کیوں نکلی لیکن اب کچھ کہنا بیکار تھا۔ جو کچھ ہونا تھا۔ ہو چکا۔ ساری سبھا درہم برہم ہو گئی۔

(۳)

شکرو چمار کوئی بڑا آدمی تو تھا ہی نہیں کہ لوگ اُس کی موت پر ماتم کرتے۔ ایک معمولی چمار کی زندگی ہی کیا؟ گاؤں والے اُسے بہت جلد بھول گئے۔ اُس کا لڑکا بھیکو باپ کے مرنے کے بعد کچھ دن تک تو گاؤں میں ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا۔ پھر معلوم نہیں کہاں غائب ہو گیا۔ کسی خاندانی رئیس کا لڑکا ہوتا تو اس کی گمشدگی پر گاؤں میں تہلکہ مچ جاتا۔ دنیا بھر میں بڑی بڑی تشہیر ہوتی

اشتہارات شائع ہوتے۔ ان کے ذریعے [illegible] کو منتشر
کیا گیا۔ آپ ایک چمار کے لڑکے کی ہمارے ہاں کوئی عزت ہی نہیں ہے۔ سماج تو
بڑوں کے لئے ہے۔ چھوٹوں کی اور وہ بھی ایک چمار کی وہ کیوں پرواہ کرنے لگی۔
شنکر داکو مرے ہوئے بیس سال ہو چکے تھے۔ اس عرصہ میں سینکڑوں انقلاب
ہو چکے تھے۔ بچے جوان اور جوان بوڑھے ہو گئے یا مر گئے۔ ٹھاکر [illegible] صاحب
[illegible] تھی تو [illegible] سحری۔ اب ان کا ایک لڑکا [illegible]
[illegible] تھا۔ ٹھاکر صاحب اپنا وقت پوجا پاٹھ میں گزارتے
تھے۔ [illegible] جب حاکم پرگنہ ان کے علاقہ میں آجاتے تو
[illegible] فوراً حاکم کے سلام کے لئے حاضر ہوتے۔ ایک دن ٹھاکر صاحب
نے سنا کہ ایک نئے حاکم [illegible] ان کے علاقہ میں آئے ہیں۔ اور ان کا پڑاؤ
گاؤں کے قریب ہی پڑا ہے۔ ٹھاکر صاحب فوراً چار پیادوں کو لے کر حاکم پرگنہ
کے پڑاؤ پر پہنچے۔ سب سے پہلے وہ پیشکار سے ملے۔ پیشکار صاحب
ٹھاکر صاحب کے پرانے [illegible] میں سے تھے۔ جب کبھی وہ [illegible]
کے علاقہ کی طرف آتے تو ٹھاکر صاحب کے یہاں سے ان کو سو روپے کا نذرانہ
دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ فصل کی چیزیں بھی ان کے گھر پہنچ جاتی تھیں۔ پیشکار
صاحب نے ٹھاکر صاحب سے کہا " یہ نئے صاحب رئیسوں سے بہت کم
ملتے ہیں۔ آپ ان سے نہ ملیں تو بہتر ہے"

ٹھاکر صاحب۔ " تو کیا مجھ سے بھی نہ ملیں گے"

پیشکار۔ "نہیں آپ جیسے رئیس سے تو ضرور ملیں گے لیکن جیسا کہ میں
عرض کر رہا ہوں۔ ان سے مل کر آپ کی طبیعت خوش نہ ہوگی۔"

ٹھاکر صاحب۔ "میں بڑے بڑے افسروں سے نپٹ چکا ہوں [illegible]

مجھ سے بڑے اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ سُنتے تو سُنا ہے کہ یہ پنچ ذات والوں سے بھی ملتے ہیں۔ پھر مجھ سے کیوں نہ ملینگے؟"

پیشکار۔ ہاں یہ تو صحیح ہے کہ یہ صاحب اچھوتوں سے ہی ملتے ہیں انکو کرسی پر بٹھاتے ہیں لیکن رئیسوں سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے

رائے صاحب۔ عیسائی ہے نا؟ **پیشکار**۔ جی ہاں"

رائے صاحب۔ لیکن اب تو میں آگیا ہوں۔ مل کے ہی جاؤں گا۔ آپ ذرا میری اطلاع تو کر دیجئے"

پیشکار۔ بہت اچھا جیسی مرضی۔ اتنا کہہ کر پیشکار صاحب مسٹر ڈیوڈ کے خیمہ میں داخل ہوگئے۔ اور اطلاع کی۔

حضور! اس علاقہ کے سب سے بڑے زمیندار اور سرکار کے خیرخواہ رائے صاحب رام پرشاد دیکشتی ملنے کے لئے آئے ہیں"

دیکشتی کا نام سنکر ڈیوڈ صاحب نے کچھ سوچ کر کہا "اچھا اندر بھیجدو"۔ دیکشتی جی خیمے میں داخل ہوکر نہایت ادب سے ڈیوڈ صاحب کو جھک کر سلام کیا۔ اور خود ہی ہاتھ ملانے کے لئے آگے بڑھے۔ دیکشتی جی پہلے سول افسروں سے ہاتھ ملانے کے عادی تھے لیکن خلاف معمول دیکشتی جی کو یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی۔ جب ڈیوڈ صاحب نے ان سے ہاتھ نہ ملایا۔ اور کہا:
"معاف کیجئے۔ میں آپ ایسے عالی خاندان پنڈتوں سے ہاتھ نہیں ملا سکتا کیونکہ میں اچھوت ہوں۔"

پنڈت جی کے وہم وگمان میں بھی نہ آیا تھا کہ انسان بھی اچھوت ہو سکتے ہیں۔ وہ تو ان لوگوں کو اچھوت سمجھتے تھے جو ان کے گاؤں میں چھوٹے کام کرتے تھے۔ ڈیوڈ صاحب کی زبان سے اچھوت کا لفظ سنکر انہوں نے کہا

کہ ڈپٹی صاحب نے یونہی ہنسی میں کہہ دیا ہوگا۔

پنڈت جی نے کہا "حضور ایسی بات نہ کہیں۔ راج دربار کو تو ہم ایشور کا سایہ (ظل اللہ) سمجھتے ہیں۔ شاستروں میں بھی راج بھگت کی بڑی مہما (تعریف) لکھی ہے۔ اور یہی قدیم سے ہوتا آیا ہے"۔

ڈپٹی صاحب۔ پنڈت جی معاف کیجئے۔ آپ لوگ مطلب کے بندے ہیں جس چیز سے آپ کا فائدہ ہوتا ہے اس کو آپ وید و شاستر سے جائز ثابت کر لیتے ہیں۔ اور جس سے آپ کو نقصان ہوتا ہے اس کو آپ مذہبی کتابوں کے خلاف بتاتے ہیں۔ بتاتے رہئے۔ آپ کی تو خوشی لیکن اب وہ زمانہ گیا۔ جب خلیق حالات فاختہ اڑا رہے تھے۔ جنکو آپ نیچ سمجھ کر اپنی سماج (قوم یا جماعت) سے نکال دینے کا موقع رکھتے ہیں وہی نیچ تعلیم یافتہ ہوکر آپ پر حکومت کرینگے۔

پنڈت جی جھٹ بول اٹھے "جی ہاں کلجگ ہے نا"

ڈپٹی صاحب نے مسکرا کر کہا "تب آپ اپنی پنڈتائی میں رہیئے اور دنیا ترقی کرتی جائیگی جس کو آپ اپنے خیال میں کلجگ سمجھتے ہیں وہ دوسروں کے لئے ست جگ ہوتا جا رہا ہے۔۔۔ پنڈت جی دل میں سوچ رہے تھے کہ میں تو صاحب سے ملنے آیا تھا کہ اچھوتوں پر سختی کریں۔ انہوں نے بگڑ کر کہا۔ "حضور کو اچھوتوں سے بڑی ہمدردی ہے"

"جی ہاں۔ کیونکہ میں خود اچھوت ہوں"

پنڈت صاحب۔ وہ کیسے؟" ڈپٹی صاحب۔ یہ آپ کو جلد معلوم ہو جائیگا۔ ہاں یہ تو بتائیے کیا آپ کے گاؤں میں کوئی شنکر نامی چمار تھا؟

شنکر چمار کا نام سنکر پنڈت جی کو [illegible] پہلے کی باتیں یاد آگئیں [illegible] والا ہے۔ ڈر کے مارے ان کا چہرہ فق

ہو گیا۔ انہوں نے دبی زبان سے کہا "جی ہاں۔ میرا ایک بھائی اس نام کا ضرور تھا۔ لیکن اس کو مرے ہوئے اب قریباً بیس یا اکیس سال ہو گئے۔"

ڈپٹی صاحب نے کہا "میں نے سنا ہے کہ اس کو آپ نے جان سے مروا ڈالا تھا" پنڈت جی تن سے گئے۔ "جھوٹ۔ بالکل جھوٹ۔ بھلا کہیں پنڈتوں سے جیو ہتیا ہو سکتی ہے؟"

ڈپٹی صاحب۔ "جی ہاں آپ ایسے بے درد۔ تنگ نظر پنڈتوں سے جیو ہتیا ہو سکتی ہے۔ اور اس کا گواہ میں خود آپ کے سامنے موجود ہوں۔"

پنڈت جی نے گھبرا کر کہا۔ "حضور۔ گواہ؟"

ڈپٹی صاحب بولے "پنڈت جی ذرا دیکھئے جس کو سزا دینے کیلئے آپ یہاں حاضر ہوئے ہیں وہ اسی بدنصیب شکر دیال کا بیٹا بھی ہے وہ بھی اچھوت تھا۔ جس نے آپکی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ وہی عیسائی ہو کر تعلیم پا کر آج حاکم ہے اور آپ کی نگاہوں میں ایشور کا سایہ ہے۔ اور وہ آپ آپ سے ہاتھ ملانا بھی پسند نہیں کرتا۔"

پنڈت جی پر گویا بجلی گر پڑی۔ شرم و ندامت سے وہ پانی پانی ہو گئے۔ انکی آنکھوں کے نیچے اندھیرا سا چھا گیا وہ زمین پر گرنے ہی والے تھے کہ ڈپٹی صاحب نے سنبھال لیا۔ اور اپنے چپڑاسی کو بلا کر پنڈت جی کو ان کے گھر بھیج دیا۔ پنڈت جی کے لئے ضعیفی میں یہ صدمہ ناقابل برداشت تھا۔ وہ اسی رات قید ہستی سے آزاد ہو گئے۔ لوگوں نے سمجھا کہ دل کی حرکت بند ہو جانے سے ان کی موت ہو گئی۔

دس گیارہ بجے دن کا وقت تھا۔ ڈپٹی صاحب کے سامنے کوئی مقدمہ پیش تھا کہ ان کے چپڑاسی کے پاس سے ایک صاحب پنڈت رام پرشاد کی

کی ارتھی نکلی۔ ڈبوڈ صاحب کے کانوں میں "رام نام ست ہے" کی صدا آئی۔ فوراً احاطے سے باہر نکل آئے۔ اور اپنے سر سے ٹوپ اُتار کر اُس وقت تک مؤدب کھڑے رہے جب تک "رام نام ست ہے" کی آواز فضا میں گونجتی رہی۔ ۵

(۱۴)

میں عیسائی کیوں بنا

مسٹر ٹامس ہندوستانی عیسائی تھے۔ پڑھے لکھے اور تیز طرار، جسم گٹھیلا اور رنگ گندمی تھا۔ انگریزی لباس میں رہنا انہیں پسند تھا۔ آپ رامپور کے تحصیلدار تھے۔ ہندوؤں سے نفرت کرنے کی وجہ سے مقدمات میں آپ انہیں بہت زیادہ سزا دیا کرتے تھے۔ ان کے ماتحت ہندو ملازم سکھی نہ تھے مسلمانوں سے آپ محبت کرتے تھے۔ ان کے مقدمات میں بھی معلوم نہیں آپ کی سختی کہاں چلی جاتی تھی۔ مسلمان چپڑاسیوں سے بھی آپ پیار کرتے تھے۔ اور عیسائی تو ان کے جاتی بھائی ٹھہرے۔ ان سے محبت کرنا قدرتی تھا۔ ٹامس صاحب کے کٹر خیال کی اس تبدیلی پر میرا دل ہی دل میں اداس رہا کرتا تھا۔ میں ان کا ریڈر رہتا تھا۔ ہندو ہونے کی وجہ سے مجھ پر وہ ہمیشہ ٹیڑھی نظر رکھتے تھے۔ ہر طرح کی احتیاط کے باوجود میں انکی لعن طعن سے بچ نہ سکتا تھا۔ میرے ساتھ ایک مسلمان منشی بھی کام کرتا تھا۔ جو صاحب کی طبیعت سے واقف ہونے کی وجہ سے ہمیشہ لاپرواہی سے کام کرتا تھا۔ لیکن اسے صاحب صرف میٹھی ڈانٹ ہی پلاتے تھے۔ ان کے

؎ ۵ مشیر، ۱۱ جون ... صفحہ ۱۳ -

اس سلوک سے میرا دل اُبل گیا۔ یقیناً وہ دل ہی دل میں [illegible] لگاتا
ہے۔ وہ مجھ سے اس قدر ناراض کیوں ہیں۔ لیکن سرکاری [illegible] کے
سامنے اور خواہ مخواہ مگر اس وقت جبکہ افسر تجربہ کار بھی ہو [illegible] صاحب
کو چلانے کا مترادف ہوتا ہے۔ اپنا درد من مار کر رہ جاتا تھا۔

ایک بار میری بیوی بیمار ہوئی۔ اسکے علاج معالجے کے لیے مجھے رخصت
لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ شیخ صاحب سے میں نے پانچ دن کی رخصت
مانگی مگر اظہار ہمدردی کی بجائے انہوں نے مجھے جھڑک دیا۔ اسقدر [illegible]
ہوگی جیسے آدمی [illegible] ہی نہیں۔ میرا [illegible] دل
دکھی کر دیا۔ آنکھیں لال ہو گئیں۔ مگر صاحب کے چہرے پر نظر پڑتے ہی [illegible]
غصہ دبا کر رہ گیا۔ دل میں فیصلہ کر لیا۔ صاحب سے اس غصے کی وجہ پوچھ
کر رہونگا۔

عدالت بند ہوتے ہی میں انکے پاس گیا۔ آرام کرسی پر بیٹھے آپ بڑے
آنند سے سگار پی رہے تھے۔ میں نے آداب بجا لا کر انکے پاس کھڑا ہو گیا۔
دھواں چھوڑتے ہوئے انہوں نے کہا۔ پنڈت! کیا ہے؟
میں نے عاجزی سے کہا۔ حضور قصور معاف۔ کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔
اسپر کچھ خشکی کے ساتھ آپ نے کہا۔ میں سمجھ گیا۔

(۱۴)

تم لوگوں کو صرف چھٹی کی ہی خواہش رہتی ہے۔ جب دیکھو چھٹی ہی کی
پکار ہے۔ میں کہاں تک چھٹی بانٹتا رہوں؟
میں۔ نہیں حضور۔ کچھ اور ہی عرض ہے۔ ناراض نہ ہوں۔ تو کہدوں۔
صاحب۔ ڈرنے کا کیا مطلب؟ کہو۔

میں: حضور، ہر دم آپ کو ہندوؤں سے ناراض دیکھتا ہوں۔ میرے کام
سے آپ واقف ہیں رخصت بہت کم مانگتا ہوں۔ میری استری بُری طرح
بیمار ہے۔ مجھے آپ سے ہمدردی اور امداد کی توقع تھی۔ لیکن اسکے بدلے جھڑکی
ملی ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ہندؤں نے کونسا ایسا پاپ کیا ہے جس
کی وجہ سے آپ ان سے ناراض رہتے ہیں۔

(۱۴)

اتنا کہتے ہی میں خوف سے کانپ اٹھا۔ نظر زمین کی جانب کر کے کھڑا
رہا۔ لیکن صاحب ناراض نہ ہوئے۔ یہ محسوس کر کے میری جرأت ہوئی۔ حوصلہ
کر کے اپنا سر اوپر اٹھایا۔ صاحب سوچ رہے تھے۔
تھوڑی سنجیدگی کے ساتھ کافی دیر تک غور کرتے رہے۔
پنڈت! یہ پوچھنے کی بات نہیں ہے۔ ہندؤں سے مجھے نفرت ہے
کیوں، سنو! ان میں بہت زیادہ خرابیاں ہیں۔ ان سے زیادہ گھمنڈی اور متعصب دنیا
میں اور کوئی نہیں ہے۔ عیسائی و مسلمان ہندؤں کے بُرے برتاؤ سے یہ سمجھ سکتا
ہے کہ وہ دوسروں کو ستایا کرتے ہیں مگر اپنی قوم سے تو محبت کرتے ہیں
لیکن تمہاری قوم تو اپنے ہی لوگوں کو ستاتی ہے۔ اور ان پر ظلم و ستم توڑتی ہے
حیوانیت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ میں بھی تو تمہاری طرح ہندو جاتی میں پیدا ہوا
تھا۔ مجھے صرف تم نے عیسائی بنایا۔ اب تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ ہندؤں نے
کیا بگاڑا ہے۔ تم نے مجھے رام و کرشن کی گود سے اٹھا کر عیسیٰ مسیح کی گود میں
پھینک دیا۔ کیا یہ معمولی پاپ ہے؟"
یہ محسوس کر کے مجھے بڑا دکھ ہوا کہ میرے ہی سامنے بیٹھ کر میری قوم کو گالیاں
دے رہا ہے۔ بڑا غصہ آیا لیکن پیٹ کا خیال کرتے ہی غصہ دور ہو گیا۔

میں نے اُن سے پوچھا۔ آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ صاحب
کچھ مسکرا کر بولے۔ تمہاری سمجھ میں کیونکر آئے۔ اگر تمہاری عقل [illegible] اچھی ہوتی تو
میں عیسائی ہی کیوں ہوتا۔ اچھا بیٹھ جاؤ۔ میں وہاں بیٹھ گیا۔ اور دل میں سوچنے
لگا کہ آج صاحب کو کیا ہو گیا۔ ان کے عیسائی ہونے پر میری جاتی کا کیا دوش ہو
سکتا ہے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے پوچھا۔ پنڈت! اگر تمہارے ساتھ کوئی
بھنگی آ بیٹھے تو تم کیا کرو گے؟

میں نے آہستہ سے جواب دیا کہ اوّل تو اسے بیٹھنے نہ دوں گا۔ اگر وہ بیٹھ ہی گیا
تو اس کی مرمت کروں گا۔ اچھوت جاتی کا ممبر کسی طرح بھی برہمن کی برابری نہیں کر
سکتا ہے۔ اس کی مرمت کرنے کے بعد اپنے گھر جا کر اشنان شدھی اور صفائی کروں گا۔

صاحب۔ آخر بے چاروں سے اتنی نفرت کیوں۔ کیا وہ انسان نہیں ہیں؟
کیا خدا نے انہیں نہیں بنایا؟

میں۔ حضور! انہیں بھی بھگوان نے بنایا ہے۔ لیکن نیچ جاتی پیدا کیا
دھرم شاستروں میں ان کے لئے حد قائم کر دی گئی ہے۔ ان کے سایہ سے ہم ناپاک
ہو جاتے ہیں۔ شودروں کا چال چلن رہن سہن بھی ناپاک ہوتا ہے۔ پھر ہم ان سے
نفرت کیوں نہ کریں؟

صاحب۔ سارے شودروں کے آچار وچار دیکھو۔ اور خیالات تو خراب
نہیں ہوتے۔ بہت سے برہمن بھی جھوٹے۔ چور۔ اور دغاباز دیکھے ہیں۔ پھر
کیا پوتر شودر برہمن سے اچھا نہیں ہوتا۔

میں۔ برہمن سے پیدا ہو کر پاپی بھی پاک شودر سے اچھا ہوتا ہے
برہمن برہمن ہے اور شودر شودر۔

صاحب۔ یہی تو تم لوگوں میں نقص ہے۔ تم لوگ تو خود ہی اپنے شاستر [illegible]

کے خلاف عمل کرتے ہوئے[1] منوسمرتی میں لکھا ہے کہ اپنے دھرم پر عمل نہ کرنے سے ایک برہمن چنڈال بن جاتا ہے۔ اور چنڈال پوتر ہو کر قابلِ تعظیم ہو جاتا ہے اجامل کون تھا۔ شوری کون تھی۔ تم لوگوں نے اپنی خود غرضی کے لئے دوسروں کو جانور بنا رکھا ہے۔ بھلا کوئی اچھوت تمہارے مندر میں چلا جائے تو تم کیا کرو گے؟

میں۔ اچھوت کا مندر میں داخل ہونا ناممکن ہے۔ ان کے مندر میں جانے سے ہم۔ مندر اور ٹھاکر تینوں اپوتر (ناپاک) ہو جائیں گے۔

صاحب۔ یہ خوب۔ خدا کے دربار میں بھی چھوا چھوت کا خیال۔ اچھوتوں کو بنا کر ایشور ناپاک نہ ہوا۔ مگر مندر میں اس کا قدم جاتے ہی مندر ناپاک ہو گیا۔

اس بات کا جواب میں نہ دے سکا۔ وہ پھر بولے۔ ایسی ہی فضول باتوں[2] کی وجہ سے تم لوگ اچھوتوں پر بڑا ظلم کرتے ہو۔ وہ تمہاری خدمت کرتے ہیں۔ کتے سے تمہارا پیار ہے مگر انسان سے نفرت۔ جانتے ہو اس سے کتنا نقصان ہوتا ہے؟

میں۔ جی نہیں۔ صاحب۔ اچھا سنو! ایک بہت پرانی کہانی یاد آئی ہے۔

(۴)

کسی گاؤں میں کوئی اچھوت رہتا تھا۔ اس کا ٹوٹا پھوٹا مکان گاؤں کے گوشے میں تھا۔ یہ گاؤں کے اندر جا کر زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکتا تھا۔ اسے گھر

---

[1] خلاف نہیں۔ مطابق۔ جس کے متعلق ہم اپنے ایک دوسرے رسالہ میں لکھیں گے (مرتب)

[2] منقولی اور اخلاقاً یہ باتیں فضول ہوں۔ مگر چونکہ دھرم شاستروں کے مطابق ہیں۔ اس لئے اونچی ذات کے ہندو ان پر عمل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ (مرتب)

کے پاس ہی ایک جنگل تھا جس سے وہ ہمیشہ خوف زدہ رہا کرتا تھا شام ہوتے ہی وہ اپنے کواڑ بند کرلیتا تھا۔ ڈر کی وجہ سے اس کا خاندان کبھی کبھی جاگتے جاگتے ہی اپنی رات گذار دیتا۔

اس کا خاندان بہت چھوٹا تھا۔ صرف تین ممبر تھے۔ عورت۔ مرد اور ایک آٹھ سالہ لڑکا۔ افلاس کی وجہ سے اسکے دن بڑی مشکل سے کٹتے تھے سارے گاؤں کی خدمت دونوں عورت مرد کرتے تھے۔ اسکے بدلہ میں انہیں ہر کسان سے کچھ نہ کچھ مل جاتا تھا۔ مگر بہت زیادہ نہیں۔ پھٹکے پر فرصت کے وقت وہ کوئی چٹائی بھی تیار کر لیا کرتا۔ اسپر وہ داتاؤں کو آشیرواد (دعا) دیا کرتے تھے۔

ایک بار کی بات سنو۔ گرمی کے دن تھے۔ گاؤں کے مالگذار کے بیٹے کی شادی تھی۔ اسے بھی اسکے ہاں باجہ بجانے کو جانا پڑا۔ اسے اس سے روپیہ وغیرہ کی امید تھی ساتھ ہی اس کا ڈر بھی تھا۔ سارا دن وہ دھوپ میں باجہ بجاتا رہا۔ اسے گرمی لگ گئی۔ شام کو بخار ہو گیا۔ گھر آتے ہی چٹائی پر آگرا۔ صبح ہوئی تو مالگذار کا چپڑاسی اسکے پاس آیا اور اس نے کہا:-

"کیوں رے کمین! تیرا اتنا دماغ۔ تو اب تک باجہ لے کر ہی نہ آیا۔"

وہ سخت بیمار تھا۔ نہایت عاجزی سے بولا:-

"سرکار مجھے بخار آرہا ہے۔ چلنے کی ہمت نہیں ورنہ ضرور پہنچ جاتا۔"

چپڑاسی نے ذرا اکڑ کر کہا:- سالے! میں تجھے جانتا ہوں۔ تو نے شاید معاش سے شراب پی لی ہے۔ اور اب بہانے کرتا ہے" بہت عرض کرنے پر بھی وہ نہ مانا۔ آخر اسے چپڑاسی کے ساتھ جانا پڑا۔ جب اس نے مالگذار کے پاس پہنچکر اسکو اپنا حال کہا۔ تو انہوں نے اپنے نوکروں سے اسے مار مار کر

گاؤں سے باہر نکال دینے کا حکم دیا۔ اب وہ کیا کرتا۔ جان پر کھیل کر سارا دن باجہ بجاتا رہا۔ شام پڑنے پر لڑکھڑاتا ہوا گھر پہنچا۔ ابھی دروازے پر ہی تھا کہ چکر کھا کر گر پڑا۔ اسکے بعد پھر کبھی نہ اٹھا۔ چند گھنٹوں میں اسکی موت واقع ہو گئی۔ عورت بیوہ اور بچہ یتیم۔ اندھیری رات ماں بیٹے نے جنگل میں بیٹھ کر کاٹی۔ صبح ہوئی۔ اور اچھوت کی بیوہ نے دروازہ کھولا۔ اس کے سامنے صرف اپنے خاوند کی لاش کو ٹھکانے لگانے کا سوال تھا۔ مگر پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ زندگی تو کیا مرنے پر بھی جگہ نہیں ملتی۔ اس گاؤں میں ایک اور اچھوت رہا کرتا تھا۔ وہ اس کے پاس گئی۔ اس نے جواب دیا۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ مالگذار سے کہو وہ انتظام کر دے گا۔

وہ مالگذار کے گھر پہنچی۔ اُسے دیکھتے ہی چیخ مار کر اُس نے اپنا دُکھڑا ظاہر کیا۔ اور اپنے خاوند کی لاش ٹھکانے لگانے کے متعلق التجا کی۔ اسپر مالگذار سخت ناراض ہو گیا۔ اور اسے چلے جانے کو کہا۔ اس کے اصرار پر مالگذار نے اپنے ملازموں سے کہا کہ اسے باہر نکال دو۔

اس کے بعد وہ عورت گاؤں کے دوسرے بھلے آدمیوں کے پاس گئی۔ مگر کسی نے اس کے ساتھ ہمدردی نہ کی۔

لاچار وہ پھر اسی اچھوت کے پاس گئی۔ جسے پہلے ملی تھی۔ اس نے ذرا تسلی دیتے ہوئے کہا کہ میں جتنا ہو سکتا ہے۔ ایندھن کا انتظام کر دیتا ہوں مگر وہ کافی نہ تھا۔ اس لئے اس عورت کو اپنے گھر کا چھپر اکھاڑنا پڑا۔ اس طرح انہوں نے لاش ٹھکانے لگائی۔

اتنا کہنے کے بعد صاحب کا گلا رک گیا۔

(۵)

کچھ گرم گرم آنسو بھی صاحب کی آنکھوں سے گرے۔ تھوڑا عرصہ خاموش رہنے کے بعد اُنہوں نے پھر کہا :۔

دوسرے دن وہ اچھوت اس عورت کے پاس آیا۔ اور اُسے کہنے لگا کہ اب اس گاؤں میں رہنے کا دھرم نہیں ہے۔ گاؤں والوں کی عنایت کا تم اندازہ کر چکی ہو۔ کل میں مر جاؤنگا تو میری لاش کو کون ٹھکانے لگائیگا میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اب یہاں نہ رہونگا۔ جہاں جاؤنگا۔ وہاں تمہیں بلواؤنگا کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ وہ فجی پہنچ گیا ہے۔

دوسری طرف اس عورت اور اسکے بیٹے کا حال سنو۔ خاوند کے مرنے سے اسکی حالت بہت زیادہ خراب ہوگئی۔ اب اس کا آسرا صرف اس کا بچہ تھا۔ جسپر وہ دل و جان قربان کرتی تھی۔ اس کا نام دمرو تھا۔ ماتا کے لاڈ سے وہ ذرا چنچل بن گیا۔ سارا دن کھیلتا رہتا۔ مالگذار کے ایک لڑکے کا نام اوم پرکاش تھا۔ وقت پاکر اوم پرکاش اور دمرو کی دوستی ہوگئی جب اس کا پتہ مالگذار کو لگا تو اس نے اپنے لڑکے کو دمرو کے ساتھ کھیلنے سے منع کر دیا۔ لیکن اوم پرکاش کیلئے دمرو کا ساتھ چھوڑنا مشکل تھا۔ وہ اس سے اکثر ملتا رہا۔

اس گاؤں میں ایک مندر بھی تھا جس میں پوجا ہوا کرتی تھی۔ ایک دن اوم پرکاش نے دمرو سے کہا کہ آج مندر میں خوب جلسہ ہوگا۔ پرساد (تبرک) میں پیڑے بھی ملینگے تم میرے ساتھ چلو۔ اسپر وہ تیار ہوگیا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ مندر میں اس کے داخلہ سے وہ مندر ناپاک ہو جائیگا اور وہ تبرکات نہ کھا سکے گا۔ اوم پرکاش کے ساتھ دمرو بھی مندر میں چلا گیا۔ بس اسکے داخل ہوتے ہی مندر میں گڑبڑ مچ گئی۔ دمرو حیران ہوگیا

اُسے معلوم نہ تھا کہ اس کے مندر میں جانے کی وجہ سے لوگ دھرم بھرشٹ ہو جائیں گے۔

پجاری بھی گھبرا اٹھا۔ کل جُگ میں کمینوں کے اتنے حوصلے۔ پرشاد (تبرک) تو کیا ملنا تھا دمرو کو خوب مار پڑی اور وہ روتا ہوا گھر پہنچا۔ ماتا نے جب اس کا حال سنا تو کہا تو اچھوت تھا کیوں مندر میں گیا؟ دمرو نے پوچھا کہ ماں اچھوت کسے کہتے ہیں۔ ماتا کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اُسنے فقط رو دیا۔

لوگوں کی تسلی اس سے نہ ہوئی۔ انہوں نے مالگذار کے پاس جا کر شکایت کی۔ اس نے بھی اس عورت کو برا بھلا کہا۔

(۶)

چند روز دمرو گھر سے باہر نہ گیا۔ ایک دن موقعہ پاکر گھر سے باہر نکلا کھیلتے کھیلتے اسے پیاس لگ گئی۔ کنوئیں پر دو چار عورتیں پانی بھر رہی تھیں جب اس نے ان کے پاس جا کر پانی مانگا تو انہوں نے گالیاں دیں۔ دمرو حیران ہو گیا بھاگتا ہوا گھر پہنچا۔

اس بار شہر میں اور بھی زیادہ گڑ بڑ مچی۔ جب مالگذار سے پھر شکایت کی گئی۔ تو اس نے اچھوت عورت کو بلایا۔ جب وہ وہاں پہنچی تو اس نے گالیاں دے کر اسے کہا کہ تیرے لڑکے نے آج کنواں اپوتر کر دیا ہے۔

اپنے چپڑاسی سے مخاطب ہو کر اس نے کہا کہ کچھ ہرج نہیں پرائشچت کر لینا۔ مگر اس اچھوت عورت کی ذرا مرمت کر دو۔ اس چپڑاسی نے اُسے خوب پیٹا۔ روتی ہوئی وہ گھر آئی۔ جب دمرو اس کے سامنے آیا تو اس نے اسے بھی پیٹا۔ وہ زمین پر گر پڑا۔ اس نے ماتا کے پاؤں پکڑ لئے۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ماتا نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اس رات ان کے

گھر میں چولہا نہ جلا۔ ماں بیٹا بھوکے ہی سو رہے۔ کسی نے اُن سے نہ پوچھا کہ تم پر کیا گذری ہے۔

اُسی دن سے اس عورت کو خاص فکر دامنگیر ہوگئی۔ اسے یہی خیال تھا کہ جن لوگوں میں مَیں رہتی ہوں۔ ان کا دھرم صرف میرے ساتھ سے بھرشٹ ہو جاتا ہے یہاں میں بے بسی کی حالت میں اپنے دن گذار رہی ہوں۔ اے دلا۔ تو ہی اس کی حفاظت کر۔

کچھ دن کے بعد چند مشنری میمیں وہاں آئیں انہوں نے اس عورت کو اپنے مذہب کی تلقین کی اور اسے عیسائی بنا لیا[۱] اس کے بعد اسکی زندگی میں نمایاں تبدیلی واقع ہوگئی۔ بتائیے پنڈت! اس عورت اور اس کے لڑکے پر مسیح نے رحم کیا یا نہیں ؟ کیا انہیں عیسائی بننے پر کسی قسم کا نقصان ہوا۔۔۔۔۔۔؟"

(یہ وہی لڑکا تھا جو بعد میں مجسٹریٹ بن گیا)

از جناب ڈاکٹر دھنی رام صاحب رسالہ چاند الہ آباد

منقول از پرتاپ لاہور ۵۔ جون ۲۷ء صفحہ ۱۲

---

[۱] مسلمان بیبیوں کو بھی چاہیے کہ وہ اچھوت عورتوں کے پاس جائیں یا انہیں اپنے گھروں میں بلا کر اُنکے دکھڑے سنیں اور انہیں اسلام میں آنے کی ترغیب دیں۔ تو چند سالوں میں انکی کایا پلٹ سکتی ہے۔ اور انکی دُنیا اور عاقبت دونوں کو سنوار سکتی ہے۔ (مرتب)

(۵)

تشنہ لب اچھوت

اس کہانی کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ دقیانوسی خیال کے لوگ ہی ان مظلوموں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ نہیں کرتے بلکہ اکثر لکھے پڑھے تعلیم یافتہ، مہذب اور خطاب یافتہ بھی ان کو حقیر و ذلیل سمجھنے میں کسی سے کم نہیں۔ (مرتب)

جیٹھ کا مہینہ تھا۔ گرمی کی شدت سے جانوروں تک کی زبانیں نکلی پڑتی تھیں۔ زمین تنور کیطرح تپ رہی تھی۔ رائے بہادر کرپاشنکر کے بنگلے کے باہر ان کا نوکر پانی کھینچ رہا تھا۔ ایک بوڑھا آدمی وہاں آکر کھڑا ہوگیا۔ اور نہایت عاجزی سے بولا۔

"بھیا! پیاسا ہوں" نوکر نے مڑ کر دیکھا۔ ناک بھوں چڑھا کر بولا "دور دور۔ اپنے سائے۔ دور رہ کہیں کنواں چھو دے گا" بوڑھا ہانپ رہا تھا۔ ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا

"بھائی پیاسا ہوں۔ شہر میں کسی نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ چار کوس پیاس سے جان لبوں تک آرہی ہے۔ گلا خشک ہو رہا ہے۔ ابھی ایک کوس اور چلنا ہے۔ مگر پہنچتے پہنچتے تو مارے پیاس کے جان ہی نکل جائے گی تھوڑا سا پانی۔ بھیا تھوڑا سا"

پیاس سے ستائے ہوئے اس بوڑھے نے گڑگڑاتے ہوئے اپنا ہاتھ کنوئیں کی سیڑھی پر رکھ دیا۔ مگر بجائے اسکے کہ اس سنگدل کا دل اسکی منت سماجت سے پسیجتا۔ اسکے غصّہ کا پارہ اور اوپر چڑھ گیا۔ اس

نے دوسرے نوکر کو آواز دی۔ ارے اس نے کنواں چھو دیا۔ دوسرے نے گھبرا
کر پوچھا "ہیں" اس کنوئیں کے پانی سے تو ٹھاکر جی کو اشنان کرایا جاتا ہے
چمار سالے نے سارا کنواں ہی ناپاک کر دیا۔ مارو سالے کو۔ پکڑ کے لے چلو
مالک کے پاس"

رائے بہادر کھانا کھا کر سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ ان کی نوجوان لڑکی
انکے پاس بیٹھی تھی۔ اتنے میں دروازہ کھول کر نوکر گھبراہٹ کی حالت میں
اندر داخل ہوا۔

سیٹھ صاحب نے پوچھا "کیا ہے بدھوا" بدھوا۔ حضور۔ ایک چمار
نے کنواں چھو دیا؟ رائے بہادر۔ "چمار نے کنواں چھو دیا اور تم دیکھتے رہے"
بدھوا۔ سرکار دوسرے نوکر اس کو منع کر رہے تھے چلا رہے تھے مگر
اس نے چھو ہی دیا"

"کہاں ہے سالہ چمار" کہتے کہتے رائے بہادر کمرے سے باہر آئے۔
بوڑھے چمار کو نوکر بڑی بے دردی سے مار رہے تھے۔ بوڑھے کی قابلِ رحم
حالت نے رائے بہادر کے دل میں رحم کی جھلک پیدا کر دی۔ مگر جونہی خیال
آیا کہ یہ چمار ہے۔ رحم کا جذبہ ہوا ہو گیا۔ "چمار کی یہ ہمت۔ وہ پیاسا تھا تو مر
جاتا۔ لیکن کنوئیں کو کیوں چھو دیا۔ مارو۔ مارو سالے کو۔ دن بھر دھوپ میں
کھڑا رکھو۔ فوراً کنوئیں کا پانی نکلوا کر پھینکوا دو۔ اور جو خرچ آئے اس
حرامزادے چمار کے باپ سے وصول کرو۔

چمار قربانی کے جانور کی طرح جسے قصائی مذبح کی طرف گھسیٹ کر
لے جا رہے ہوں۔ چلا جا رہا تھا۔ اور ہندو رائے بہادر چمار کی اس دیدہ
دلیری پر آنکھوں سے آگ برسا رہے تھے کہ اتنے میں ایک بوڑھا

مولوی کمرے میں داخل ہُوا۔ یہ رائے بہادر کی لڑکی کا اُستاد تھا۔ لڑکی مولوی صاحب سے اُردو پڑھتی تھی۔ اس بوڑھے مولوی نے اندر آتے ہی رائے بہادر سے کہا۔

"اب اسے معاف کر دیجئے حضور" بیچارہ ضعیف العمر اور کمزور ہے۔"

رائے بہادر نے تنک کر جواب دیا "بوڑھا اور کمزور ہے۔" مولوی صاحب آپ جسے بوڑھا اور کمزور کہتے ہیں وہ ایسی گستاخی کا مرتکب ہوا ہے کہ اسکے بدلہ میں اگر اسکی جان بھی لے لی جائے تو اسکے قصور کے مقابل میں بہت کم سزا ہے۔ بدمعاش نے تمام کنواں ناپاک کر دیا۔"

مولوی۔ خیر حضور یہ اپنی سزا کافی سے زیادہ پا چکا ہے۔ شدت کی گرمی۔ آفت کی دھوپ۔ بیچارہ اتنا پیٹا ہے کہ آہ۔ اسکے بڑھاپے پر رحم کیجئے۔ اسکی کمزوری پر مہربانی کیجئے۔ اسکی پیاس کی اس حالت پر ترس کھائیے۔ شہر میں اسے کہیں پانی نہ ملا۔ اُف۔ آپ لوگونکی ذات بھی غضب ہے۔

رائے بہادر نے کڑک کر کہا۔

غضب نہیں تو کیا۔ ہم لوگ بڑی صفائی سے رہنے والے ہیں۔ ہندو ہیں۔ آپ لوگونکی طرح ہمارے مذہب میں غلاظت نہیں ہے۔"

مولوی۔ ہاں جناب۔ ابھی کل کی بات ہے۔ خان بہادر مصطفےٰ خان کے ہاں میں بیٹھا تھا۔ ہم کھانا کھانے کی تیاری میں تھے کہ ایک گندا۔ غریب اور بوڑھا مسلمان کھانے کی امید میں دروازہ پر پکارنے لگا۔ اُسے ہم لوگوں نے اپنے ساتھ اسی دسترخوان پر بیٹھا لیا۔ غریب ہے تو کیا۔ کمزور ہے تو کیا۔ آخر بندہ تو اس اللہ تعالےٰ کا ہے۔ پھر آپس میں یہ نفرت کیوں۔ یہ کدورت کیسی؟"

بڑی منت سماجت کے بعد بیچارے مولوی نے بیمار کی جان بچائی۔ اُسے پانی دلوایا۔ وہ بیچارہ وہاں سے اس طرح بھاگا جس طرح کہ جال کے ٹوٹ جانے پر اس میں پھنسا ہوا کوئی پرندہ اُڑ بھاگتا ہے [1]

---

[1] اس کے بعد قصہ نویس نے لکھا ہے کہ ایک عرصہ بعد جب ہندو مسلمانوں میں فساد ہوا مسلمانوں نے رائے بہادر کا بنگلہ گھیر لیا۔ اور در پے آزار ہوئے۔ مگر معاً ایک اور گروہ اچھوتوں کا وہاں آ پہنچا جس نے رائے بہادر کو فسادیوں کے شر سے بچایا۔ جب رائے بہادر کو معلوم ہوا کہ میرا بچانے والا وہی بوڑھا چمار ہے جس کی بیٹی کی درگت بنائی تھی تو وہ بہت نادم ہوا۔ اور آئندہ اچھوت ادھار کا حامی بن گیا۔ جس کے پڑھنے سے بڑی ذات والوں اور اونچ کہلانے والوں کے اخلاق کا پتہ لگ جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر ان دلت لوگوں کو اٹھایا جائے ان سے حسن سلوک سے پیش آیا جائے تو یہ وقت آنے پر اپنی جان تک نثار کر سکتے ہیں کیونکہ جب یہ دکھ دینے والوں کے [illegible] وقت کام آ جاتے ہیں تو کیا اپنے محسنوں کے کام نہ آئیں گے؟

پرتاپ ۷ مارچ ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۸ (شری پت لالہ ہربنس لال جی منیجر اخبار پرتاپ)

(۱۴)

بجلی یا اچھوت

اس مختصر سے ڈرامہ کا مطالعہ بتلائے گا کہ اعلیٰ ذات کے ہندو ہی نہیں بلکہ ان کی عورتیں بھی ادنیٰ ذات کی عورتوں سے پرہیز اور انتہائی ذلت آمیز سلوک کرتی ہیں (مترجم)

پہلا ڈراپ

حمد باری

پہلا سین

شریمان پنڈت دھنا نوسی جی مہاراج کی دھرم پتنی دیوی، شریمتی اگیان دیوی (مسماۃ جہالت بیگم) عرف پنڈتانی جی اپنے مکان کے آنگن میں مالا اور گومکھی ہاتھ میں لئے بیٹھی ہے۔ اور بدیشی (غیر ملکی) کپڑوں میں اس طرح ملبوس ہے جیسی کہ فرانس کی لیڈی صاحبہ۔

اتنے میں بھنگن ہاتھ میں جھاڑو اور ٹوکری لئے آموجود ہوتی ہے۔

بھنگن۔ اجی پنڈتانی جی جے رام جی (سلام) کی۔

پنڈتانی۔ جے رام جی کی بچی۔ دن تو چڑھ لینے دیتی ابھی تو ہم لوگ اٹھے بھی نہیں کہ تو آگئی ہے۔

بھنگن۔ بی بی مجھے دو محلوں کے گھر صاف کرنے ہیں۔ صبح نہ اٹھوں تو میرا کام کیسے چلے۔

پنڈتانی۔ ... (وسو شیلا) ۔ اری جلد اٹھ۔ بھنگن نے تو سارا کام خراب کر دیا۔

سوشیلا - کیوں بی بی جی؟ کیا ہوا؟ پنڈتانی - اری کمبخت دیکھ تو بھنگن کے ساتھ سلو کا ٹانگا ہوا ہے۔ سلو کے ساتھ میز۔ میز کے ساتھ کرسی کرسی کے ساتھ پنڈت جی کی چارپائی۔ اور پیچھے اسکے میری سب چیزیں پڑی تھیں وہ سب خراب ہوگئی ہیں۔ اور ہائے اب میں کیا کروں؟

سوشیلا - بی بی جی۔ ایسے کہیں بھلا کہیں ہوسکتا ہے۔ یہ سب چیزیں کیسے خراب ہوگئیں؟

پنڈتانی - (غصے سے) کیسے؟ یہ تم کو ابھی معلوم ہوجائے گا جبکہ سارے کپڑے دھونے پڑینگے۔ اور سارے برتن آگ میں تپا کر صاف کرنے پڑینگے۔

سُودیش کماری - بی بی جی مجھے کپڑے دھونے کی ضرورت نہیں ہے میں ایسے بھرم (توہم) نہیں مانتی ہوں۔

بھنگن ہے یا بجلی جو سب چیزوں میں داخل ہوگئی۔

پنڈتانی - (دانت پیستی ہوئی) اری چپ رہ۔ آ رہ کنیا پاٹھشالا میں پڑھ کر تجھے بہت سی باتیں بنانی آگئی ہیں۔ تیرے سب کپڑے رضائی تلائی وغیرہ میں سب کچھ دھلوا کر کے ہی چھوڑونگی۔

بھنگن - (حیرانی سے بہت کچھ دیکھتی ہوئی) رام رے رام۔ اسے پرماتما ہم لوگوں نے کیسے گناہ کئے تھے جو بھنگی کے گھر پیدا کیا۔ اور یہ طعنے سننے پڑے۔ (ایک طرف ہو کر بیٹھ جاتی ہے)

دوسرا سین

(پنڈتانی جی ویسے ہی ریشمی کپڑے زیب تن کئے ہوئے بیٹھی ہوئی ہیں۔ اور اتنے میں جولاہی سر پر دری رکھے ہوئے آنگن میں داخل ہوتی ہے)

جلاہی - اجی پنڈتانی جی۔ جے رام جی کی (سلام)

پنڈتانی - بس بس پرے ہی کھڑی رہ - اور بتلا کیا کام ہے -

جولاہی - بی بی جی آپ کے لئے یہ دری دری آگے پھینک دیتی ہے ؛ بنا کر لائی ہوں -

پنڈتانی دری کو چھو کر اور پھر جلدی سے ہاتھ کھینچ کر ہرے رام (لاحول ولا)

جولاہی - کیوں بہن ! کیا بچھو نے کاٹ کھایا ؟

پنڈتانی - اری چڑیل تو نے پان والا کپڑا میرے آگے کیوں رکھ دیا ؟ دیکھتی نہیں کہ میں نہا دھو کر ابھی بیٹھی ہوں - ہائے میں تو بھرشٹ ہو گئی - ہائے ! آج کیسا منحوس دن چڑھا ہے -

جولاہی - بی بی کیوں گھبراتی ہو ؟ پان - میں تو صرف گیہوں کا آٹا اور کنوئیں کا پانی ہی ہوتا ہے - بہت جو تو یہ ہیں (ولایتی) کپڑے پہنے ہوئے بیٹھی ہے ان میں تو گائے بھینس بکری سور کی چربی بھی لگاتے ہیں - جسکو ہم لوگ چھوتے بھی نہیں اور آپ انہیں پہنے ہوئے ہیں -

اچھا ذرا بلی کو تو ہٹاؤ - دودھ پی رہی ہے -

پنڈتانی - یہ تو پالتو ہے اس کا دن رات یہی کام ہے -

جولاہی - بی بی جی اگر اجازت ہو تو میں ہاتھ جوڑ کر عرض کرتی ہوں -

پنڈتانی - بول ! کیا بکواس کرتی ہے ؟

جولاہی - بی بی جی - کیا آپ مجھے اس بلی سے بھی برا جانتی ہو -

پنڈتانی - بیشک بیشک - جولاہی - اچھا بہن اجرت دو - میں چلی جاؤں -

پنڈتانی - اری کمبخت - اجرت میں تیرا سر دوں - تینے جو تم سے روپے لئے ہیں - ابھی تو تینے صرف ایک آنہ روپیہ ہی بیاج لگایا ہے کوئی زیادہ تو لگایا ہی نہیں - اس میں سے کاٹ لینگے -

چھاری سے بھگوان اپنے دینا ناتھ! دغریبوں کے سہائتے ہو کر ما
جائیں۔ دن رات ایک کرکے یہ کام کیا تھا اور اس لئے رکھ چھوڑے تھے کہ
یہی پیسے لے کر آٹا لے جاؤنگی اور ان کو کھلاؤنگی لیکن بہار ہے جواب لے
وہ بیچارے کیا کھا ہیں گے۔

تیسرا سین

پنڈتانی جی ویسے ہی اپنی بھگتی (عبادت) میں مگن ہیں اور دل ہی دل میں
بھگوان کو کوس رہی ہیں کہ آج کیسا نحوس دن پڑا ہے کہ ... ہی چماری
لوٹا لے کر داخل ہوتی ہے۔

چماری۔ اجی پنڈتانی جی۔ جے رام جی کی (سلام)

پنڈتانی۔ اری تیرا ستیاناس۔ تم لوگ آج ہی ڈھونڈ کر میرے سر پر
چڑھ آئی ہو۔

چماری۔ بی بی جی! یہ تو ٹھیک۔ پنڈتانی۔ پرے ہی رکھ رہے۔ اور نزدیک
نہ آئیو۔

چماری۔ بی بی جی وہ کتا گھڑے میں سے پانی پی رہا ہے۔

پنڈتانی۔ (سکتے سے) ٹپ ٹپ ہیں کیا کروں اس کتے اور بلی نے
تو میرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ موئے دن رات تنگ ہی کرتے رہتے ہیں۔

چماری۔ بہن، تھوڑا پانی تو پلاؤ۔ مجھے پیاس بہت لگ رہی ہے۔

پنڈتانی۔ اری میں تمہیں پانی کیسے پلاؤں؟

چماری۔ بہن پیاس کے مارے جان نکلی جاتی ہے۔ ذرا اٹھ کر گھڑے سے لوٹا
بھر کر پلا دو۔

پنڈتانی۔ اری چڑیل۔ اس طرح تو میرا گھڑا۔ لوٹا۔ اور خود میں بھرشٹ

ہو جائیں گے۔ تم کو پانی نہیں پلا سکتی۔

چماری۔ کیوں نہیں۔ کیا میں اس کتے سے بھی بری ہوں۔

پنڈتانی۔ ہاں! اگر بری نہ ہوتی تو چماری کے گھر میں کیوں پیدا ہوتی۔

چماری۔ نہیں پرماتما سے ڈرو۔ دیکھتی نہیں ہو کہ اس بدنصیب ہم کے لیڈر سوراج حاصل کرنے کے لئے دن رات ایک کئے دیتے ہیں۔ دیانند کی ریاضت۔ گاندھی کا عہد اہنسا نہرو اور داس کا تیاگ۔ مالوی جی کی ہمدردی اور لاجپت کی ذاتی قربانی سب ناکام جا رہے ہیں۔ باعث یہ ہے۔ کہ آپ لوگوں نے ہمارے حقوق چھین رکھے ہیں۔ اگر آپ ہمارے حقوق ہمیں نہ دیجئے تو کس منہ سے دوسروں سے حقوق مانگ رہے ہو۔

(چماری رونا شروع کر دیتی ہے۔ اتنے میں اسکی ماں آجاتی ہے)

ماتا۔ کیوں بیٹی کیا ہوا۔

چماری۔ ماتا جی آج ہماری بڑی توہین اور بے عزتی ہوئی۔

گانا

---

(۷)
بکس اچھوت

جنم اشٹمی کا دن تھا گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ بجلی چمکتی تھی۔ بادل

گئے تھے۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ پجاری والے مندر میں خاص رونق تھی۔ خوب سجا ہوا تھا۔ چاروں طرف کرشن جی کے واقعات زندگی کے متعلق مختلف تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ رنگ برنگ کے کپڑے دیواروں پر لٹکے ہوئے تھے۔ لال پیلے رنگ کے پھولوں کے گملے قرینے سے رکھے ہوئے تھے اس پر بجلی کی روشنی سونے پر سہاگہ کا کام دے رہی تھی۔ پجاری جی نے بھی پوشاک بدلی ہوئی تھی۔ اور ماتھے پر چندن لگا ہوا تھا۔ پجاری جی چلا کر بولے " ارے شوشنکر! اب دروازے پر کھڑے ہو جاؤ۔ کرشن جی کے جنم کا وقت ہو گیا ہے۔ اب عورتیں چڑھاوے لیکر آئینگی۔ دیکھنا کسی اچھوت کو نہ گھسنے دینا۔ نہیں تو مندر ناپاک ہو جائیگا" شوشنکر دروازے پر کھڑا تھا۔ پنڈت جی اندر ہنڈولے کے سامنے بیٹھے تھے۔ عورتیں بڑے بڑے چڑھاوے کے تھال لے کر آتی تھیں اور گھڑیال بجا کر۔ ہنڈولا ہلا کر اور چرن امرت لیکر چلی جاتی تھیں۔ ایک آتی تھی۔ ایک جاتی تھی۔ غرضیکہ عجیب قسم کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ شوشنکر نے دیکھا کہ ایک دبلا پتلا سا آدمی۔ سر سے ننگا پھٹی ہوئی دھوتی۔ پھٹا ہوا کرتا۔ اپنے دائیں ہاتھ میں پھول لئے ہوئے کرشن کرشن کا جاپ کرتے ہوئے دروازے سے گذرنے لگا۔

شوشنکر بولا۔ " ارے کون ہے ؟"

" جی میں ہوں رامو۔ ناتھے کا بیٹا "

" ارے کون ناتھا۔ وہی نا جو چمار ہے " " جی "

" ارے چمار اور پھر مندر میں پوجا کرنے جا رہا ہے۔ (لات مار کر) بھیا کہیں کا۔ تجھے شرم تو نہیں آتی "

رامو۔ " کیا کرشن جی کو چمار پیارے نہ ...... " " دشٹ کہیں کا۔

پرواس کر رہا ہے۔ جلدی سے نکل گیا۔ کیا بلاؤں ابھی پجاری جی کو؟......
زور سے چلا کر۔ پجاری جی۔ پجاری جی۔ دیکھ لیجئے۔ ننھے چمار کا بیٹا مندر
میں گھس رہا ہے۔

پجاری جی چلائے۔ "ارے چمار کا بیٹا اندر پھر سے...... آ جائیں"
پجاری جی کی آنکھوں سے قوت شباب ......۔ چمار کے بیٹے کا نام سنکر پاگل
سے ہو گئے تھے۔ پجاری جی نے سوٹی اٹھائی اور باہر نکل آئے۔ آتے ہی دو
سوٹیاں راموں کے مار کر کہنے لگے۔ "ایسے اندھے مندر میں داخل ہو کر تو
اس کو بھرشٹ کرنا چاہتا ہے۔ مندر میں ایک اچھوت کے لئے کوئی جگہ
نہیں ہے"

راموں چپ رہا۔ اس نے پھول دیوتا کے واسطے بنا ہاتھ بڑھایا۔ اور کہنے
لگا۔ اچھا تو انہیں میری طرف سے کرشن جی کے کینیٹ چڑھا دیجئے"۔
ان الفاظ کا سننا تھا۔ بس پھر تو پجاری جی کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور
بے رحم (بے شرم) کہہ کر پجاری نے پر لاٹھیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اور انتا مارا کہ بیچارا
بیہوش ہو کر گر پڑا۔ وہ دروازے کے قریب پڑا تھا۔
لوگ نہیں لگاتار آ رہی تھیں۔ مگر کسی نے اس کی طرف دھیان نہ دیا۔ اس لئے کہ وہ
اچھوت تھا۔

راموں کو ہوش آیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ وہ ایک نرم بستر
پر لیٹا ہوا تھا۔ کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی سے کہا۔ "جی........ میں تو اچھوت
ہوں۔ ایک چمار کا بیٹا...... مجھے...... آپ کیوں...... اپنے گھر لے آئے"
آدمی بولا۔ "کیا اچھوت اسی پرماتما کے بنائے ہوئے نہیں ہیں جس کے
دوسرے لوگ ہیں"

راموں بولا "بابوجی ..... مجھے ..... اپنے گھر سے ..... بھیجدیں ..... ورنہ آپ کو ..... برادری ..... نکال دے گی "

"مجھے برادری کی پرواہ نہیں" کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی نے جواب دیا۔

راموں نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا "نہیں بابوجی ..... میرے لئے ..... ایک بلا ..... آپ اپنے سر نہ لیجئے "

"میرے لئے ایسی بلائیں خوشی پنہاں ہونگی لیکن تمہاری حالت یہ کس نے کی ؟"

"ایک ابھی ..... ما ..... ابھیانی (مغرور) نے۔

"کس طرح ؟" "مَیں کرشن جی ..... کی پوجا ..... کیلئے مندر میں ..... داخل ہونے لگا ..... پجاری جی نے مجھے ..... مارا ..... آگے پھر ..... پتہ نہیں ..... بابوجی ..... پانی "

یوگندر نے پانی پلایا۔ اور کرسی پر بیٹھ کر کہنے لگے "لیکن تمہارے ساتھ ایسا ظلم کیوں ؟ "

"میں اچھوت" "تو پھر" "بابوجی ..... اچھوت ہونا ..... تو گناہ ..... " کہہ کر راموں نے دم توڑ دیا۔

گو اس بات کو مدت ہو چکی ہے لیکن اب بھی مسٹر یوگندر کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔ اور ایک آہ سرد کھینچ کر کہتے ہیں۔

"آہ! اے ہندو قوم تو کب سمجھے گی "

گورو گھنٹال ۱۰ جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۲۱

از مسٹر ہندو لال صاحب مظلوم

(۸)

مظلوم اچھوت

سُنسان کالی رات میں جبکہ فضا نہایت خاموشی سے سو رہی تھی۔ ایک درد انگیز آواز نے اُسکو بیدار کیا۔ دروازہ آہستہ سے ہلا۔ آواز آئی :۔

"کون" "ایک مظلوم" "کیا چاہتا ہے ؟"

ایک چیخ — دل سوز چیخ مظلوم کے مُنہ سے نکلی۔ اُس نے روتے ہوئے کہا — "بابا — پناہ!" اندر سے کوئی جواب نہ ملا، وہی خاموشی تھی، مظلوم نے پھر دردناک آواز نکالی۔ دروازہ کھلا۔ آواز آئی۔

"اُف! تم" "ہاں ایک اچھوت"

"بڑے فخر سے کہتا ہے۔ چل بھاگ جا"

"بابا رحم کرو۔ سردی سے مر رہا ہوں" کسی نے کہا "ٹیپو اس کو پکڑو۔ کُتا جھپٹ کر مظلوم اچھوت پر آ رہا۔ وہ ایک دل سوز چیخ لے کر بھاگا۔ مگر بے سود۔ کُتا اُس کے پیچھے تھا۔ کپڑوں کی بجائے کُتے نے اُس کا جسم نوچ ڈالا۔ اُس نے کہا

"بابا مجھے بچاؤ" مگر بے سود۔ اس کا جواب ایک قہقہہ تھا۔

(۲)

وہ اچھوت تھا۔ بے سروسامانی کی حالت میں اِدھر اُدھر بھٹکتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچے اسکو پاگل جانکر اسے بھگاتے اور اینٹیں مارتے تھے۔ وہ روتا تھا۔ مگر اسکی کوئی نہ سُنتا تھا۔ اگر غلطی سے وہ کسی جسم کو ہاتھ لگا دیتا تھا۔ تو اسکی

شامت آجاتی تھی۔ اگر وہ پانی کے لئے کسی کنوئیں پر جاتا تھا تو اسکو اس برتن کا اشارہ ہوتا تھا جس میں کتے پانی پیتے تھے ۔۔۔ کھانا ؟ ۔۔۔ وہ تو اسے شاذونادر ہی ملتا تھا اور جب ملتا تھا تو ناواقفیت کے سبب وہ کتوں کے منہ سے روٹی چھین کر کھایا کرتا تھا۔ وہ یتیم تھا۔ ہندوؤں کے آئے دن کے مظالم سہتا تھا۔ اور گالیاں کھاکر پیٹ بھرتا تھا۔ اسکو ڈھارس دینے والی ایک چیز تھی۔ اور وہ اس کے باپ کی ایک زنجیر۔ وہ اُسے دیکھ کر رویا کرتا تھا۔ اس کا رونا نہائت دل سوز اور درد ناک ہوتا تھا۔ مگر ہندوؤں کے لئے نہیں۔ کیونکہ وہ ایک پتت (گرا ہُوا) تھا۔ اچھوت تھا۔ ہندوؤں کی عورتیں اس کے سایہ سے گھبراتی تھیں۔ صبح کے وقت ہی کیا ہر وقت اُس کا مُنہ دیکھنا بُرا مانا جاتا تھا۔ ایک دُنیا اسکی دشمن تھی۔ نسیم سحر کے سرد جھونکے اس کے زخمی جگر پر نمک پاشی کیا کرتے تھے۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا ۔۔۔ ہندوو! قوم کے نقلی ٹھیکیدارو! رحم کرو۔ پھر کہتا تھا ۔۔۔ رحم! کیا ہندوؤں کی شان کے شایاں نہیں ؟ مگر اُسے بجواس کہا جاتا تھا۔ وہ تنگ ہو کر کہتا تھا :-

"غریب کا کوئی ساتھی نہیں۔"

(۳)

سورج نے بھی اچھوت سے بے وفائی کی۔ اُسے سردی میں چھوڑ کر خود سیاہ لحاف میں چھپ گیا۔ اُن آوارہ لوگوں کو جنہوں نے تمام دن آوارہ گردی میں گذارا۔ رات کے آرام کی فکر دامنگیر ہوئی۔ "اچھوت" "مظلوم اچھوت" بھی اپنی بیچارگی کو ساتھ لیکر چھپتا ہُوا ایک مندر میں داخل ہُوا۔ وہ نتیجہ سے بے خبر نہ تھا مگر اپنے دُکھوں کا خاتمہ چاہتا تھا۔ وہ مندر کے پیچھے گیا۔ وہاں ایک ٹاٹ تھا۔ اچھوت نے کانپتے ہوئے اُسے اُٹھایا۔ اور اُسے اوڑھ کر

لیٹ گیا۔ اس کا نتیجہ اسکی، کمزوری کے سامنے تھا۔ اسکی آنکھ لگ گئی۔ یکایک وہ چونکا۔ چلایا۔ "پنڈت جی معاف کرو" "نہ مارو۔ پنڈت جی نہ مارو" اس طرح رات گذرنے لگی۔ نسیم سحری نے اسے گہری نیند سلا دیا۔

ابھی اندھیرا ہی تھا کہ پنڈت جی رام رام کہتے ہوئے اُٹھے۔ انھوں نے کسی کو دیکھا۔ وہ گھبرا گئے۔ غیظ و غضب سے بولے۔ "رامو! او رامو! تیز ناس کمبخت کہاں آمرا۔ ایک لاٹھی ہے سے پنڈت اسکو جگانے لگے۔ غصہ سے ان کا چہرہ سُرخ تھا۔ رام رام کرنے کی جگہ وہ گالیوں کی بوچھاڑ کر رہے تھے مگر وہ نہ جاگا۔

(۴)

نسیم سحر اپنی خوش خرامیوں سے ہر غمگین دلکو شاد کر رہی تھی۔ دہن غنچہ نے مسکراہٹ کا اظہار کیا۔ تمام دنیا خواب سے بیدار ہو چکی تھی۔ مگر اچھوت سو رہا تھا۔ ایک بیدار ٹھوکر نے اس کو بیدار کیا۔ اس نے التجا آمیز نگاہوں سے پنڈت جی کو دیکھا۔ اس نے ہاتھ باندھے۔ اور انکے پاؤں کیطرف بڑھا۔ جس کا جواب ایک ٹھوکر تھا۔ اس نے معافی کے لئے التجا کی۔ مگر آہ! پنڈت جی پر اس کا اثر نہ ہوا۔ وہ کہنے لگے۔ "دُشٹ! مندر بھرشٹ (ناپاک) کر دیا۔ شِو ناراض ہو جائیں گے۔ پاپی نے صبح کے وقت مُنہ دکھایا۔

اچھوت کی چیخ و پکار سے مندر کا مندر گونج اٹھا۔ لوگ بھاگے ہوئے آئے۔ اور تماشہ دیکھنے لگے۔ اُن میں سے ایک بولا۔ مارڈالو بدمعاش کو ہمیشہ تنگ کرتا ہے۔ دوسرا بولا۔ بدمعاش پر چوری کا الزام لگاؤ۔ اور پولیس کے حوالہ کر دو۔

پنڈت جی بولے کتنی جرأت کی۔ جیسے سرائے ہے۔ میں خود ہی اس کو

ٹھیک کرونگا۔ پھر انکی (مارنے کی) رفتار تیز ہوگئی۔ کسی نے روتے ہوئے کہا "شو!"
ایک مسلمان کو بلایا گیا۔ تاکہ وہ اُسے پکڑ کر باہر نکالے۔ وہ آیا۔ اُس نے
نہایت محبت سے اُسکو اُٹھا کر بٹھایا۔ مگر وہ کٹے ہوئے تنے کی مانند گر پڑا۔
اُس نے پھر اُسے دلاسا دے کر اپنی گود میں لیا۔ مگر وہ تو پرماتما کی گود میں جا
چکا تھا۔

اس کا سنسکار (رسم تجہیز و تکفین) ہُوا؟ نہیں اسے باہر پھینکا گیا مگر
مسلمانوں نے اُسے دفنایا۔ اور اب بھی وہ وہیں سوتا ہے۔
رات کو سنسان گلیوں اور مندروں کی در و دیوار سے آواز اُٹھتی ہے
اور وہ اس مظلوم اچھوت کا پیغام ہے:۔
"اچھوتوں سے نفرت کرنے والو! ان سے پریم کرو"
پنڈت جی کا بیان ہے کہ اب شو کی مورتی کے گلے میں ایک زنجیر ہے۔ اور
جب وہ اُسے اُتارنے کی کوشش کرتے ہیں تو اُنکا ہاتھ کانپ جاتا ہے،

شریمان بھاشا امر صاحب پٹیالوی۔
پرکاش ۹ دسمبر ۲۸ء صفحہ ۱۲

(۹)

اچھوت کی بیٹی

اس کہانی کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اچھوتوں کو تعلیم حاصل کرنے میں کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ لوگ جو پبلک میں اپنے آپ کو آریہ سماجی اچھوت اُدھار کا حامی اور ذات پات کا مخالف بتاتے ہیں۔ وقت آنے پر یہ کس طرح تبدیل ہو جاتے ہیں اور اپنے آبائی اثرات کے باعث قدامت پسندوں سے کچھ کم سرد مہر اور سخت دل ثابت نہیں ہوتے۔ (مرتب)

(۱)

سیٹھ آتما رام کا شمار قصبہ کے چوٹی کے امیروں میں تھا۔ یہ تیکھا۔ با اصول سادہ آدمی تھا۔ اور پڑھا لکھا تھا۔ مقامی سناتن دھرم سبھا کا پردھان اور صدر بھی تھا۔ اسکے اینٹوں کے بھٹے کا منشی ڈھیرو چمار تھا۔ جس نے اپنی محنت۔ قابلیت اور ایمانداری کی وجہ سے آتما رام کے دل میں گھر کر رکھا تھا۔ بھٹہ خوب چلتا تھا کیونکہ پتھیرے سب چمار تھے۔ اور ان میں سے اکثر ڈھیرو کے بھائی بھتیجے اور دیگر رشتہ دار تھے۔ لیکن اسکو کسی کا لحاظ نہ تھا۔ کیا مجال جو کام سے کوئی غیر حاضر ہو اور ڈھیرو اس سے باز پرس نہ کرے۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں انفلوئنزا آ پھیلا۔ سب لوگ گھبرا گئے۔ پاس ہی شیخ منور علی کے بھٹے کے مسلم پتھیرے ہر اور ٹکی پیشگی دبا کر بھاگ گئے۔ شیخصاحب کو مہینوں دوڑ دھوپ کرنی پڑی۔ لیکن آتما رام کے بھٹہ کا کام برابر چلتا رہا۔ کیونکہ ڈھیرو نے اپنے تمام آدمیوں کو قابو میں رکھا۔ اس کا لڑکا چھنا بیمار ہو گیا۔ بیوی اسکی دوا دارو میں لگی رہی۔ مہینہ بھر

دونوں کام پر نہ آسکے۔ ڈھیرو نے دونوں کی غیر حاضری لگا دی۔

اس کا آتما رام پر بڑا اثر پڑا۔ وبا کے ہٹ جانے پر انہوں نے پانچسو روپیہ اسکی وفاداری اور ایمانداری کا معاوضہ دینا چاہا۔ ڈھیرو نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کرپا ندھان (مہربان) ! میں اکیلا ہوں روپیے کر کیا کرونگا۔ لیکن جتنے کمانیوالے ہیں۔ پرمیشور نے کھانے کو بہت دے رکھا ہے۔ اگر مہربانی کرنی ہے تو چمار ٹولے میں کنواں لگوا دیں۔ سب بھائیوں کی تکلیف دور ہو جائیگی۔ ہم لوگ گھنٹوں قصبہ کے کنوئیں پر کھڑے کھڑے رہتے ہیں۔ اس تکلیف سے بچ جائینگے اور آپ کو دعائیں دینگے۔ ڈھیرو کی عزت اس قناعت اور بے نیازی کی وجہ سے آتما رام کے دل میں اور بھی بڑھ گئی۔ اور انہوں نے ایک ہزار کے خرچ پر چمار ٹولے میں کنواں لگوا دیا۔

(۳)

چمار ٹولا بھٹے کے پاس ہی تھا۔ اسکی رونق ڈھیرو کی وجہ سے تھی۔ ڈھیرو کا معمول تھا کہ وہ سب مکانوں کی صفائی دیکھتا۔ انکو حتی المقدور صاف ستھرا رہنے کا اپدیش کرتا۔ اس کا اپنا مکان سدا صاف ستھرا اور لپا پتا رہتا تھا۔ اسکے صحن میں پیپل کا ایک بڑا درخت تھا جس نے صحن کی خوبصورتی کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔ صبح و شام دونوں وقت اسکے نیچے رامائن کا پاٹھ ہوتا تھا جس میں سب چمار شامل ہوتے تھے۔ اس حصہ قصبہ میں ڈھیرو کا لفظ قانون تھا لیکن کیا مجال جو کبھی کسی کو ڈھیرو سے شکایت پیدا ہوئی ہو۔ سادگی۔ پاکیزگی۔ قناعت اور باہمی اعتماد کا چمار ٹولے میں راج تھا۔ کام سے فالتو وقت ان لوگوں کا ڈھیرو کے صحن میں گانے بجانے میں گذرا کرتا تھا۔

چمار ٹولے کے پچھواڑے سڑک کے اس پار آریہ سماج کا مندر تھا

بھی میں آریہ کنیا پاٹھ شالہ (لڑکیوں کا مدرسہ) تھا۔ پاٹھ شالہ لگتے ہی جب سب لڑکیاں ملکر ایک سُر سے بھجنوں اور وید منتروں کو گاتی تھیں تو انکی میٹھی آواز کو سُن کر چار ٹولے کے اکثر عورتیں مرد کام کرتے کرتے رُک جایا کرتے تھے۔

ڈھیرو کی ایک آٹھ سالہ کنیا تھی۔ نام بھوانی تھا۔ بڑی خوبصورت۔ رنگ گورا۔ موٹی موٹی آنکھیں۔ سڈول جسم۔ بڑی سمجھدار اور چنچل۔ یہ تو پاٹھ شالہ کھلتے ہی دروازے پر جا کھڑی ہوتی۔ اور ٹکٹکی لگائے کنیاؤں کو دیکھتی رہتی۔ اگرچہ کئی دفعہ چپڑاسی اسکو دھتکار بھی دیتی تھی پر یہ وہاں سے تبھی ہٹتی جب لڑکیاں گانا بند کرکے اپنے سبق میں لگ جاتیں۔

(۲)

ایک دن ڈھیرو نے کام سے واپسی پر دیکھا کہ بھوانی نے رو رو کر آنکھیں لال کر لی ہیں۔ ماں کے پچکارنے پر بھی اسکی سسکیاں بند نہیں ہوتی تھیں۔ اس سے ڈھیرو کو بہت پیار تھا۔ جھٹ گود میں اٹھا لیا اور پچکار کر بولا۔

"کیوں بیٹا! روتی کیوں ہو؟ ہم سے کہو کیا ہوا ہے؟"

بھوانی نے آنکھیں پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ "ابا! یہ جو چھوٹا سا سکول ہے اس میں ہم پڑھیں گے اور گانا سیکھیں گے۔"

ڈھیرو۔ (ٹھنڈی سانس لیکر) "بیٹی! تم یہاں نہ پڑھ سکوگی۔ وہ لوگ تم کو داخل نہیں کریں گے۔"

بھوانی۔ کیوں نہ پڑھ سکونگی۔ داخل کرا کر دیکھو۔ بھلا کیسے نہیں پڑھتی؟

ڈھیرو۔ یہ بات نہیں بیٹی! تم بیشک پڑھوگی۔ پر تم کو کوئی پڑھا دے تب نا"

بھوانی۔ (سادہ پن سے) ابا! وہاں ایک عورت پیلی سی دھوتی باندھے سب کو پڑھاتی ہے۔ وہی پڑھائے گی۔ اچھے ابا۔ ضرور داخل کرا دو۔ ڈھیرو کے

ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ وہ حیران تھا کہ اس معصوم بچی کو ہندو سماج کی بے انصافیوں کا علم کیسے ہو گیا۔ جن کا دھرم ایک اچھوت کی لڑکی کو علم پڑھانے سے ناش ہو جاتا ہے۔ آخر اس نے اس کو تسلی دینے کے لئے کہا "بیٹا! تم منہ ہاتھ دھو کر کھیلو۔ میں دو تین دن تک بندوبست کر دونگا۔"

بھوانی یہ سنکر خوش ہو گئی۔ اور اچھلتی کودتی باہر جا کر اپنی ہجولیوں کو یہ خبر سنانے کے دلچسپ کام میں لگ گئی۔

(۳)

اگلے ہی دن ڈھیرو لالہ آتما رام کے پاس جا کر بولا "ان داتا! ایک عرض ہے۔ ہے تو ناواجب پر آپ سے بنا کوئی کام نہیں چلتا۔"

آتما رام نے حیران ہو کر کہا "کہو نا۔ ایسی کیا بات ہے۔ میرے کرنے کی ہوگی تو ضرور پوری کر دونگا۔"

ڈھیرو۔ "دو دن سے بھوانی ضد پر چڑھ گئی ہے کہ سکول میں داخل کرا دو پڑھونگی۔ بہتیرا سمجھایا پر نہیں مانتی۔"

آتما رام (جو سناتن دھرمی ہندو تھا) یہ سنتے ہی سوچ میں پڑ گیا اور کچھ دیر کے بعد بولا "ڈھیرو! یہ میرے بس کی بات نہیں۔ یہ کام میں نہیں کر سکتا۔"

ڈھیرو۔ "کیوں نہیں کر سکتے سرکار؟ آپ کی بھی تو ایک پاٹھ شالہ (مدرسہ) ہے۔ وہاں داخل کر لیجئے۔ اسکے پردھان بھی آپ ہی ہیں۔ کون روک سکے گا؟"

آتما رام نے گردن ہلا کر جواب دیا۔ "یہ سب ٹھیک ہے۔ پر ایک تو سناتن دھرم کے سدھانت (عقیدے) اجازت نہیں دیتے۔ دوسرے اگر میں تمہارے لحاظ سے ان کو مان لوں تو کیا بنتا ہے۔ اور ممبر مانیں تب نا۔"

ڈھیرو نے عاجزانہ جواب دیا "تو سرکار ادھر ہی (آریہ پتری مدرسہ میں)

کوشش کریں؟"

آتمارام۔ ہاں ادھر کوشش پوری کرونگا۔ آریہ سماج کے پردہان لالہ جیوتی سروپ میرے پرم متر ہیں۔ دوسرے انکو سدھانتوں (عقائد) کی بھی کوئی روکاوٹ نہیں۔ کوئی وجہ انکی طرف سے انکار کی نہیں ہوسکتی۔ سو میں انکو ملونگا۔ تم پانچ چار دن تک خبر لینا۔"

(۵)

دو دن بعد آتمارام جیوتی سروپ کے مکان پر پہنچے اور بولے نمستے مہاراج! جیوتی سروپ۔ نمستے بھائی نمستے۔ آئیے آئیے آج آپ کدھر بھول پڑے اور پھر ہنستے ہنستے ہی ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کی۔ آپ نے نمستے کہاں سے سیکھ لی؟ کیا آپ کا بھی دھرم پرکاش سبھا سے نکلنے کا ارادہ ہے؟ (یہ کہہ کر جیوتی سروپ ہنسنے لگے)

آتمارام نے ہنستے ہنستے جواب دیا "بھائی صحبت بڑی بلا ہوتی ہے نا اسکے لئے آدمی کہنے کو بھی اپنا لیتا ہے۔ ہمیشہ نمستے کہتے کہتے تو گویا عادت ہوگیا"

جیوتی سروپ نے سنجیدگی سے پوچھا "کہیئے آج کیسے آنا ہوا؟"

آتمارام۔ بھائی! بات یہ ہے کہ میرا منشی ڈھیرو اپنے لڑکے کو پڑھانے کی خاطر پاٹھ شالہ میں داخل کرانا چاہتا ہے۔

جیوتی سروپ۔ تو پھر؟

آتمارام۔ پھر تمہارا آسرا ابھی سمجھے نہیں آپ! اسے داخل کرلو۔ یہ سنتے ہی (آریہ سماجی) جیوتی سروپ کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ کھنکار کر بولے "بھائی! جب تمہاری اپنی پاٹھ شالہ موجود ہے تو یہ اتنی بڑی دیا ہم پر کیوں ڈالتے ہو؟

آتما رام نے گرم ہو کر جواب دیا۔ "انوچت کام؟ تو ہماری طرح تم بھی اسکو انوچت (غیر مناسب) ہی مانتے ہونا؟ پھر یہ الگ آڈمبر (ڈھونگ) کیوں بنا رکھا ہے؟ اچھوت ادھار کے نام پر لوگوں سے روپیہ کیوں بٹورتے ہو؟ پلیٹ فارم سے اخوت و مساوات کی دہائی گلا پھاڑ پھاڑ کر کیوں مچاتے ہو؟ قوم کو دو فرقوں میں کیوں تقسیم کر رکھا ہے؟ آؤ ہم سے ملجاؤ کیوں روز روز شاستر ارتھوں (مباحثوں) میں تُو تُو مَیں مَیں کراتے ہو"؟

جیوتی سروپ کی زبان پر یہ پٹنے کی سُنکر تالہ لگ گیا۔ کوئی جواب نہ دے سکے آخر دھیمی آواز میں بولے۔

"اچھا بھائی! میں مقدور بھر کوشش کرونگا۔ میرے اکیلے کے بس کی بات تو ہے نہیں۔ انترنگ سبھا (مجلس منتظمہ) کے فیصلے سے مطلع کرونگا"

آتما رام اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور جوتا پہنتا ہوا بولا "میں فیصلہ وپھیلہ نہیں جانتا لڑکی کو تمہیں داخل کرنا ہوگا۔ ورنہ مَیں اخباروں میں وہ مٹی پلید کروں گا کہ ساری عمر یاد کروگے۔ ہاں ایک بات انصاف کی ہے۔ یہ جھوٹی شیخی چھوڑ دو۔ اس مضمون پر بحث اور لیکچر بازی بند کردو۔ ہم لوگوں کو تم سے کوئی گلہ نہ رہے گا۔ یہ اس دو رُخی کے کیا معنی؟ یہ سراسر دھوکا ہے۔ پبلک کے ساتھ بے ایمانی ہے۔ مَیں یہ ہرگز نہ ہونے دُونگا۔"

(۴)

(آریہ سماج کی) انترنگ سبھا میں بڑی لے دے ہوئی کئی ممبروں کا خیال تھا کہ یہ آتما رام کی چال ہے۔ سماج کی پاٹھ شالہ کو نقصان پہنچا کر اپنی پاٹھ شالہ کی ترقی مقصود ہے۔ پر دہان نے بہتیرا سمجھایا۔ آتما رام کی معقول دلائل کو دوہرایا شاستروں کے حوالے دیئے۔ پر ممبر ٹس سے مس نہ ہوئے۔ آخر جیوتی سروپ نے

استعفیٰ دے دیا۔ یہ آریہ سماج کی جان تھے۔ انکی علیحدگی سماج کی موت تھی۔ اب ممبروں نے فیاضی دکھلائی کہ

"اچھوت لڑکی کو داخل کر لیا جائے۔ لیکن اور لڑکیوں سے علیحدہ اپنے ٹاٹ پر بیٹھ کر پڑھا کرے۔ کسی سے ملے جُلے نہیں۔ سماج کے کنوئیں سے پانی لے لیکن دوسری لڑکیوں سے۔ اتنے پر بھی اگر پبلک میں ہلچل ہو۔ اور پاٹھ شالہ کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو تو کارکنوں کو حق ہو گا کہ اس لڑکی کو نکالدیں۔"

چلو اتنا ہی غنیمت ہے۔ پردھان سرخرو ہو گئے اور آتما رام کو منہ دکھلانے کے قابل۔ اگلے روز بھوانی داخل کر لی گئی۔

ڈھیرو خوش تھا۔ لیکن یاروں میں بوڑھے بوڑھے سر ہلاتے تھے چودھری غلطی کر رہا ہے۔ لڑکی کو بیاہ کے قابل ہونے دو تب روئے گا اور پچھتائے گا۔

(۵)

چند ہی سال بعد ڈھیرو کو اس سچائی کا تلخ تجربہ ہو گیا :-

بھوانی نے آٹھ سال بعد مڈل پاس کر لیا۔ ساری جماعت میں اول ہی۔ ڈھیرو کی خوشی کا کیا ٹھکانا۔

جب یہ تعلیم نسواں کے فوائد پر دوسری چار عورتوں کے سامنے تقریر کرتے دیکھتا۔ اور جب یہ اپنی رسیلی آواز سے ہارمونیم پر ایشور کی اُپاسنا (حمد و ثنا) کے بھجن گاتی تو ڈھیرو کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھارا نکلتی۔ اسپر وجد کا عالم طاری ہو جاتا۔ اس کا رواں رواں [illegible] سماج اور خصوصاً اسکے پردھان لالہ جیونتی سروپ کا احسان مند تھا [illegible] ہندو گرہست (عیالداری)

میں سکھ کہاں ؟ یہاں قدم قدم پر تفکرات آگے آنے کو تیار رہتے ہیں۔ ڈھیرو بیچارہ بھلا اس سے کیسے مستغنی رہ سکتا تھا۔ بھوانی کے مڈل پاس کرنے کے چھ ماہ بعد ہی اسکو اپنی حالت کا گیان و علم ہوا۔ گویا کہ وہ سوتے سے جاگ اٹھا۔

چماروں میں بھوانی کے لائق بر ملنا ناممکن تھا۔ اور اعلیٰ ذات کا کوئی ہندو اسکو بیاہنے کو تیار نہ تھا۔ ڈھیرو جانتا تھا۔ ایسا خیال کرنا ہی مہا پاپ (گناہ عظیم) ہے۔ جب وہ بھوانی جیسی لائق اور خوبصورت لڑکی کو جو اب قابل شادی ہو چکی تھی۔ عمر بھر کنوارا پن بھگتنے پر مجبور دیکھتا تھا۔ تو اسکے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

بھوانی کو دیکھ کر قصبے کے کئی ہندو نوجوانوں کی رال ٹپکنے لگی اسکو دہرم پتھ (تقویٰ کی راہ) سے گرا کر تو سب کوئی تیار تھے لیکن دہرم کے مطابق بیاہ کر کے سکھی گرہست بھوگنے کا نہ کسی میں حوصلہ تھا۔ نہ خواہش۔ اس میں ان سب کی ناک کٹتی تھی۔

بھوانی کو اس حالت کا پورا احساس تھا۔ وہ اپنی حفاظت کے قابل تھی جب کسی نوجوان کی شہوانی نگاہ اپنے اوپر پڑتی دیکھتی تو وہ ایسی قہر بھری چنگاریاں ان پر پھینکتی کہ بڑے سے بڑے غنڈہ کا بھی پتہ پانی پانی ہو جاتا تھا۔

(۹)

مگر اس سے ڈھیرو کو اطمینان نہ تھا۔ یہ رات دن ٹھنڈی سانسیں بھرتا۔ اور مایوسی کے عالم میں کئی بار کہہ بیٹھتا "افسوس! بیٹے کا ہیکو اسے پڑھایا۔ اگر یہ غلطی نہ کر بیٹھتا۔ تو آج کبھی کا بھوانی کے بیاہ سے سبکدوش ہو گیا ہوتا۔ اب ساری عمر کا دکھ مول لے لیا۔ خدایا کیا انجام ہوگا؟ بھوانی کے دن بڑے آرام سے

گذر رہے تھے۔ لیکن جن نوجوانوں کی نظر اس پر تھی اُن میں لالہ جیوتی سروپ کا لڑکا دلیپ بھی شامل تھا۔ بھوانی کو باتوں باتوں میں معلوم ہو گیا کہ ان سب میں بھی پاک محبت کی رسّی میں بندھا ہوا ہے۔ یہ بھی اسکو دل دے بیٹھی۔ اور دونوں شاستروں کے مطابق بیاہ کر کے خانہ داری کا سکھ بھوگنے کی تجاویز سوچنے لگے۔

جیوتی سروپ کو اس کا علم ہو گیا۔ یہ آتمارام کے پاس پہنچا۔ اور بولا "بھائی! یہ تمہارے منشی کی لڑکی تو میرے جیون (زندگی) کا کانٹا بن گئی۔ پہلے تم نے اسے سارے ممبروں کی مخالفت سہہ کر سکول میں داخل کرایا۔ پڑھا لکھا کر لائق بنا دیا۔ اب یہ میرے لڑکے پر بھی ڈورے ڈال رہی ہے کسی طرح ڈھیرو کو سمجھاؤ۔ ورنہ میں تو کہیں کا نہ رہوں گا۔"

آتمارام۔ "مجھے نہیں سمجھ آتی۔ اس میں کونسا بھیانک خطرہ ہے جس سے تم اتنے ڈرے ہوئے ہو۔ دونوں میں باہمی محبت ہے۔ گن کرم سوبھاؤ (صفات اعمال اور خواص) ملتے ہیں۔ شادی کر دو۔ سب ٹنٹا مٹ جائے گا۔"

جیوتی سروپ۔ "تمہارے منہ سے یہ باتیں شوبھا (زیب) نہیں دیتیں چماروں سے بیاہ کر دوں؟"

آتمارام۔ "میرے منہ سے بھلے ہی شوبھا نہ دے۔ تمہارے (آریہ سماجی) اصولوں کی تو شوبھا ہے۔ اب بھوانی میں چمارپن کیا رہ گیا ہے؟ آٹھ سال میں نکلا نہیں۔ تم جنم کے تو قائل نہیں۔ چلو تمہاری خاطر ایک حوصلہ میں کرتا ہوں۔ تم بیاہ رچاؤ۔ بھوانی کو میں اپنے ہاتھوں اور اپنے گھر سے رخصت کروں گا۔ خرچ بھی سارا میں ہی دونگا۔ بولو! ہے منظور؟"

جیوتی سروپ۔ (کانپ کر) "نہ بھئی! ابھی مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں۔ اتنی لمبی چھلانگ میں ابھی نہیں لگا سکتا۔"

یہ سنکر آتمارام نے قہقہہ لگایا۔ اور بولا۔
"بس مہاشہ دیکھ لی آپ کے گُن کرم کی حقیقت۔ آپ تو ہم (سناتنیوں) سے بھی بڑھ کے جنم کے پوجاری ہیں"

(۹)

اس بات چیت کے ۲ ماہ بعد بھوانی اور دلیپ کو یقین ہو گیا کہ انکے باہمی بیاہ کا کوئی امکان نہیں۔ اور ان میں اس عقدہ کو حل کرنے کے لئے یوں بات چیت ہوئی :۔

دلیپ۔ بھوانی! تم کو معلوم ہے مجھ کو تم سے کتنا پریم ہے! میں اگر شادی کرونگا تو تم سے۔ نہیں تو ساری عمر برہمچاری (مجرد) رہونگا۔ چونکہ شادی کا کوئی امکان نہیں اس لئے دوسرا ہی راستہ اختیار کروں گا"

بھوانی۔ (خوش ہو کر) بہت اچھا سوچا۔ اسکے واسطے میں تم سے خود کہنے کو تھی۔ آج کل ملک اور قوم پر مصیبت بھی نازل ہے۔ اور تم جیسے ویروں کی ضرورت ہے۔ میں بھی عہد کرتی ہوں کہ اپنی زندگی خدمتِ قوم ہی میں لگا دونگی"

دلیپ۔ مگر ایک راستہ اور بھی ہے۔ سوچ لو۔ ہم تم دونوں نکل چلیں۔ لالہ آتمارام نے بہت سی مالی امداد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ جس سے ہم کوئی کام کاج کر سکیں گے۔ اور کسی دوسرے شہر میں جا کر بیاہ کر کے سکھی گرہست بھوگ سکیں گے۔

میرا۔ باپ کی دولت کو ترک کر دینا تمہاری محبت کی خاطر مجھے اتنا تکلیف دہ معلوم نہیں ہوتا"

بھوانی۔ یہ کوئی تیاگ نہیں۔ تم مال و زر کا تیاگ کرتے ہو۔ اس لئے کہ تم کو پریم کا سکھ ملے۔ جو تم کو زیادہ اچھا لگتا ہے۔ تیاگ کے معنی ہیں کہ ہم اپنے سکھ کو

دوسروں کی بھلائی اور سُکھ کے لئے چھوڑ دیں۔ سو تمہارے ماتا پتا کی روحانی تکلیف۔ میرے باپ کی تکلیف۔ اور لالہ آتما رام کے دلی فکر کو دور کرنے کا یہی سہل ذریعہ ہے کہ ہم اپنا ہر قسم کا سُکھ تیاگ دیں۔ اور اپنی زندگی قوم اور ملک کی خدمت میں لگا دیں۔" اس عہد پر مضبوط رہنے کا ارادہ کر کے وہ دونوں الگ ہو گئے۔

(۱۰)

عورت ذات کو کمزور کہا جاتا ہے۔ مگر تجربہ بتلاتا ہے کہ یہ خیال غلط ہے جتنا حوصلہ اور استقلال مصیبت کے موقعہ پر عورت دکھلا سکتی ہے تجرد کی زندگی جس مضبوطی کے ساتھ وہ بسر کر سکتی ہے۔ اور اپنے وعدہ کا ایفا جس عمدگی سے کر سکتی ہے اس کا عشر عشیر بھی مردوں کے حصہ میں نہیں آیا۔ یہی حالت یہاں ظہور میں آئی۔ اس عہد کے بعد جہاں بھاگوانتی خوشی سے دن گذارنے لگی۔ وہاں دلیپ کے چہرے پر مُردنی چھا گئی۔ وہ اپنے اس مشکل اور کٹھن عہد کو نبھانے میں اپنے آپ کو کمزور پا کر اس راستہ سے بچ نکلنے کی تجویز سوچنے لگا۔

جیوتی سروپ جیسے جہاندیدہ سے اپنے بیٹے کی یہ حالت چھپی نہ رہی۔ دل میں بڑا خوش ہوا۔ اور ایک روز موقع پا کر بولا:۔

"بیٹا! لالہ کرم چند کی لڑکی نے اس سال انٹرنس پاس کیا ہے۔ بڑی خوبصورت ہے۔ وہ مجھ پر بڑا زور ڈال رہے ہیں۔ کہو تو بات چیت کروں؟"

دلیپ چپ ہو گیا۔ شرم سے گردن نیچے کر لی۔ جیوتی سروپ نے بات چیت شروع کر دی۔ اور وعدہ لینے کے ۲ ماہ کے اندر اندر دلیپ کا بیاہ اس لڑکی سے ہو گیا۔

بھوانی نے سُنا غصہ سے آنکھیں لال ہوگئیں۔ اور کٹکٹا کر بولی۔ "بزدل" اور انگاروں پر لوٹنے لگی۔

(۱۱)

اگلے روز صبح کو ڈھیرو کا گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ بھوانی گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ جاتے وقت باپ کو خط لکھ گئی:۔

"آپ بھول جانا کہ آپ کے گھر میں کوئی لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ میں بدسبب خودکشی کر لیتی مگر دھرم اجازت نہیں دیتا۔ دھرم مجھے پیارا ہے۔ اسے چھوڑ بے بغیر میں اس دُشٹ سماج کو بھی نہیں تیاگ (ترک) سکتی۔ ورنہ کبھی کی مسلمان یا عیسائی ہوگئی ہوتی۔ یہ تو نہیں کر سکی۔ مگر یہ کر سکتی ہوں کہ ایسے مقام کو چھوڑ دوں۔ جہاں دلیپ جیسے بزدل۔ اور جیوتی سروپ جیسے بے اصولے آدمی رہتے ہوں۔ آپ بھی اس قصبہ کو چھوڑ دیں۔ جہاں کی ہوا میں سانس لینا بھی مہا پاپ ہے"۔

بھوانی کی والدہ غش کھا کر گر پڑی۔ اور ایسی گری کہ پھر نہ اٹھ سکی۔ ۲ ماہ کے اندر اندر یہ دنیا سے چل بسی۔ اسکے چند روز بعد ڈھیرو بھی ان صدموں کی تاب نہ لا کر دوسرے عالم کو سدھارا۔ اب چندنا کے لئے یہاں کیا رہ گیا تھا۔ یہ بھی بیوی کو ہمراہ لے کر یہاں سے جانے کہاں چلا گیا!

ڈھیرو کے گھر اُجڑتے ہی چار ٹولے کی رونق نہ معلوم کہاں جاتی رہی۔ آتما رام کے بھٹے کا کام ڈھیلا پڑنے لگا۔ اور ایک سال کے اندر اندر چار ٹولے کے مکانات کے کھنڈرات پیپل کا درخت اور کنواں ہندو سماج کے مظالم کی یاد تازہ رکھنے کے لئے باقی رہ گیا۔

اُس چبوترہ پر جہاں شام کو ہر روز غریب لیکن سادہ اور صاف دل چار عورت مردوں کا جمگھٹا گانے بجانے میں مصروف نظر آیا کرتا تھا۔ اب سوائے ایک دو کتوں یا اُلّو کی ہُو ہُو کے اور کچھ نظر نہ آتا۔ اور نہ سنائی دیتا ہے۔

(۱۲)

مذکورہ بالا واقعہ کو ۵ سال گذر گئے۔ شِو راتری کا دن تھا۔ آریہ سماج مندر میں رشی بودھ اُتسو (جلسہ) ہو رہا تھا۔ مندر بھرپور تھا سناتن دھرم سبھا کے آدمی بھی شامل تھے۔ ہَوَن کی میٹھی میٹھی خوشبو اُٹھ رہی تھی۔ پروگرام کے مطابق سب کارروائی ہونے کو تھی کہ یکایک ایک ۲۶ سالہ نوجوان عورت بھگوے کپڑے پہنے مندر میں داخل ہوئی۔ اسکے چہرے کا جلال دیکھ کر سب پر رُعب چھا گیا۔ اس نے سکرٹری سے کچھ بولنے کی اجازت مانگی۔ جو دیدی گئی۔ وہ خاتون آہستہ آہستہ سٹیج پر چڑھی۔ اور یوں بولنا شروع کیا:۔

دیویو اور بھدر پُرشو! آجکے دن بالک مُول شنکر (سوامی دیانندجی کا پہلا نام) کو پرماتما کے اصل سروپ (حقیقت) کا بودھ (علم) ہُوا تھا۔ جس نے اسکو رشی بنا دیا۔ تم پچاسوں برسوں سے یہ اُتسو (تقریب) مناتے ہو۔ مگر پہلے سے بھی زیادہ گرتے جاتے ہو۔ تم میں سے کسی کو اپنے فرائض اور دھرم کا احساس نہیں۔ آؤ میں کچھ احساس کروانے کی کوشش کروں۔ دیکھتی ہوں کہ اس بدنصیب ملک کے لیڈر سوراج کے حصول کے لئے دن رات ایک کئے دیتے ہیں۔ مگر دیانند کی ریاضت۔ گاندھی کا اہنسا برت۔ نہرو اور داس کا تیاگ۔ مالوی کی پرہ یا [illegible] اور شیر پنجاب (لاجپت رائے) کا آتم تیاگ سب ناکام ہو رہے ہیں؟ کبھی سوچا کیوں؟ آؤ میں بتاؤں؟ تم سب پرماتما کو مانتے [illegible] دل جانتے ہو تو اسکی بنائی ہوئی مخلوق میں بے انصافی کیسے ہو سکتی

ہے۔ یہ بھی ماننا پڑے گا۔ اور جب ایسا ہے۔ تو میں تم سے پوچھتی ہوں کہ تم جنہوں
نے صدیوں سے اپنے سے کمزور کروڑوں اپنے بھائیوں کا دنت (پسماندہ)
اور تیپت (گرے ہوئے) نام رکھ کر ہر ایک مجلسی حق چھین رکھا ہے۔ اور اسے
کسی بھی قیمت پر لوٹا دینے کو تیار نہیں ہو۔ تو کس منہ سے دوسروں سے اپنا
حق مانگتے ہو؟ تمہارے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے عین خدائی انصاف کے
مطابق ہو رہا ہے۔ جیسا سلوک تم دوسروں سے کرتے ہو۔ ویسا ہی سلوک
تم سے جو طاقتور ہیں ان کے ذریعہ سے تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔

اے اس نگر کے نواسیو! اگر تم کو یہ سب کچھ [illegible] ہو تو اٹھو [illegible] مندر
کے سامنے ڈھیرو چمار کی اس [illegible] جھونپڑی پر نظر ڈالو۔ جہاں [illegible]
چند سال پہلے ایک غریب [illegible] اور وہ [illegible] رہا کرتا تھا۔ جسکو تمہارے
ظلم و ستم نے مٹی میں ملا دیا۔ [illegible] سے ہیولی سروپ
اور دیپ پر نظر ڈالی۔ اور جب تک لوگ [illegible] حیرانی [illegible] وہاں
سے چلی گئی۔

(۳۳)

چار توسے کے کھنڈرات میں اسی رات کو ایک عورت ڈھیرو کے مکان
[illegible] خدا کی عبادت میں مصروف تھی۔ زمانہ گذشتہ کے
واقعات کی یاد سے اس کا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ اسکی آنکھوں سے آنسوؤں کا
مسلسل تار جاری تھا۔ اسکی ساڑی کا آنچل اگرچہ [illegible] ہو گیا تھا۔ لیکن آنسو تھمنے
کا نام نہ لیتے تھے۔ [illegible] پکڑ لیا۔ اور بولا:-
وہ [illegible]!
[illegible] شیرنی کی طرح بپھر کر کھڑی ہو گئی۔ اور گرج کر بولی۔ دشٹ

[illegible] اس ستم زدہ بیوی [illegible] شرع کی تعلیم کے مطابق ہو رہا ہے
تو شاید وہ اپنے مخاطبین کو [illegible] (مرتب)

تُو نے مجھے چھو کر ناپاک کر دیا ہے بے شرم! غیر عورت کو چھوتے وقت تجھے موت نہ آئی؟ بے اصولے باپ کے بزدل بیٹے! تُو یہاں میرے سامنے کیوں آیا؟ چل۔ ہٹ۔ جا۔ کہیں میں کچھ کر نہ بیٹھوں۔ ۔ ۔ مجھے پتہ لگا کہ جس ملک میں تجھ جیسے خودغرض۔ شہوت پرستی کے کیڑے اور بزدل بستے ہوں۔ اس کا غلام ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔"

اتنا کہہ کر بھوانی نے زور سے تھوکا۔ اور وہاں سے بھاگ گئی۔ دلیپ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اس کے بعد اس قصبہ میں بھوانی کو کسی نے نہیں دیکھا۔

---

(۱۰)

ہندو بازیگر

اس کہانی کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اونچی ذات کے لوگ اپنے چھوٹوں کو اپنا غلام بنائے رکھنے کے لئے انکے دل و دماغ پر کتنا قبضہ کر رکھا ہے کہ بعض اوقات وہ انتہائی مصیبت میں مبتلا ہونے پر بھی محض اپنی جہالت و نادانی سے مسلمانوں سے پانی نہیں پیتے۔ اور اپنی بیوقوفی اور حماقت کے ہاتھوں جان تک ضائع کر دیتے ہیں (مرتب)

---

(۱)

چوہدری رام دیال[1] تھا ذات کا بازیگر۔ مگر نہایت نیک اور پارسا تھا اسکی عمر چالیس سال سے زائد ہو چکی تھی۔ بچے تو کئی پیدا ہوئے مگر سب بچپن

[1] آپ بیتی ۱۷ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۵۔ (جناب ڈاکٹر گھسیٹا رام صاحب اسسٹنٹ سرجن جہلم)

ہی میں مر گئے۔ صرف ایک لڑکا بچا۔ جسے رام دیال نے بڑی محبت سے پرورش کیا۔ رام دیال کی بیوی لکشمی بھی بڑی نیک اور باعصمت تھی۔ اسکو اپنے بچوں کے مر جانے کا بہت غم تھا۔ اور جب یہ اکلوتا بیٹا رام ناتھ دو سال کا ہوا۔ تو اس نے اسکی جان کی سلامتی کے لیئے طرح طرح کے جتن کئے۔ رام دیال کو معلوم ہوا کہ اسکی بیوی بچہ کی محبت میں دیوانی ہو رہی ہے۔ اس لئے اسے سمجھایا کہ یہ سب باتیں فضول ہیں۔ اگر بھگوان کو منظور ہے تو یہ بچہ زندہ رہیگا لیکن اگر اسے منظور نہیں تو اس میں ہمارا اور کسی انسان کا کیا بس ہے۔ تم فضول حرکات نہ کرو۔ اس سے میرے دلکو صدمہ پہنچتا ہے۔ لکشمی نے خاوند کی بات تو نہ کاٹی مگر در پردہ اپنے بیٹے کی سلامتی کے لیئے فقیروں محتاجوں کی مدد کے علاوہ دیوی دیوتاؤں کی بھی منت مان ہی لیا کرتی تھی۔

(۲)

چوہدری رام دیال کے محلہ کے قریب ہی ایک چھوٹا سا کنواں تھا۔ گو جہ اس کا پانی اچھا نہ تھا۔ مگر چونکہ اسے اور اسکی برادری کے دوسرے لوگوں کو اور کنوؤں پر چڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے رام دیال اس کنوئیں سے پانی لے کر اپنا گذارہ کرتا تھا۔

ایک سال خشک سالی کا ایسا آیا کہ بارش کا ایک قطرہ نہ گرا۔ گاؤں کا پانی بھی خشک ہو گیا۔ دوسرے لوگوں نے تو اپنے کنوؤں کو صاف کرا کے پانی حاصل کر لیا۔ مگر رام دیال اور اسکی غریب جماعت کے پاس اتنے روپے نہ تھے کہ وہ بھی کنواں صاف کرا لیتے۔ اس لئے کئی دن تو کیچڑ ملا ہوا پانی پیتے رہے۔ اور جب پانی کا ایک قطرہ بھی کنوئیں میں نہ رہا تو ان کو بہت فکر ہوئی +

(۳)

چوہدری رام دیال غریب تو تھا مگر منچلا تھا۔ اس نے سوچا کہ اپنی یہ تکلیف اُسے گاؤں کے چندوں کے روبرو پیش کرنی چاہیئے۔ چنانچہ وہ سب سے پہلے لالہ سربدیال دوکاندار کے پاس گیا جو گاؤں کا چوہدری تھا۔ اور اس سے بولا کہ لالہ صاحب اب ہمارے لئے بھی پانی کا کوئی انتظام کرنا چاہیئے۔ لالہ صاحب اپنا حساب کتاب کر رہے تھے۔ بولے۔ چوہدری! پھر کسی دن آنا آج مجھے وقت نہیں ہے۔ رام دیال نے کہا لالہ جی کیا غضب کرتے ہو۔ میری برادری کے مرد عورتیں اور بچے پانی کے ایک گھونٹ کے لئے ترس رہے ہیں اور آپ کہتے ہیں پھر آنا۔

لالہ صاحب نے اپنی عینک درست کر کے کہا۔ پھر مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ رام دیال نے جواب دیا کہ آپ یا تو ہمارا کنواں درست کروا دیں یا چند روز کے لئے اپنے کنوئیں سے پانی بھرنے دیں۔

رام رام ایسا کبھی ہو سکتا ہے؟ ان الفاظ کے ساتھ لالہ سربدیال نے رام دیال کو وہاں سے اُٹھا دیا +

(۴)

چوہدری رام دیال وہاں سے اُٹھ کر پنڈت چیت رام پانڈہ کے ہاں گئے پنڈت صاحب پر رام دیال کو بڑا مان تھا۔ اس لئے کہ اس نے پنڈت صاحب کی کئی مرتبہ خدمت کی تھی۔ اور کبھی ایک پیسہ اُجرت وصول نہ کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ پنڈت صاحب ضرور اسکی کچھ مدد کرینگے۔ پنڈت صاحب نے اسکی شکل دیکھی تو سنسکرت کے شلوک پڑھنے لگے۔ نوکر نے چوہدری کو کہا کہ ابھی ذرا دُور رہنا پنڈت جی پاٹھ کر رہے ہیں۔ رام دیال غریب مکان کے باہر ایک

طرف کھڑا ہوگیا۔ پنڈت صاحب سمجھتے تھے کہ انتظار کرتے تو وہی چلا جائیگا
مگر جب آنکھیں بند کئے اور گلا پھاڑتے ہوئے تنگ آ گئے۔ تو آنکھیں کھولکر
بولے چوہدری کس طرح آنا ہوا۔ خیر تو ہے؟

(۵)

رام دیال آگے آیا۔ پنڈت جی کو پرنام کیا۔ اور پھر اُس نے انکے سامنے اپنی
تکلیف بیان کی۔ پنڈت جی نے پہلے تو اپنے جنیئو (زنار) کو ادھر ادھر کھینچا پھر
سر کھجاتے ہوئے بولے۔ چوہدری! یہ روگ میرے بس کا نہیں ہے۔ بہتر ہو
کہ دوسرے گاؤں میں چلے جاؤ۔ اور وہاں اسوقت تک رہو۔ جبتک کہ بھگوان
کی کرپا نہ ہو۔ بارش ہونے پر جب تمہارے کنوئیں میں پانی آجائیگا تو پھر یہاں
آ رہنا۔ رام دیال کا یہ الفاظ سنتے ہی دم خشک ہوگیا۔ اوپر کا سانس اوپر اور
نیچے کا نیچے رہ گیا۔ پھر اُس نے نہ تو پنڈت صاحب سے کچھ کہا اور نہ گاؤں کے
کسی اور ہندو کے پاس جانیکی ضرورت سمجھی۔ بلکہ وہاں سے ہی اپنے گھر کو پھرا۔ محلہ
میں اسکی برادری کے لوگ اس کا انتظار کر رہے تھے کہ کیا جواب لیکر آتا ہے۔ جب
رام دیال نے انکے روبرو اپنے اس طرح ناکام واپس آنیکا قصہ بیان کیا تو وہ بہت
جوش میں بھر گئے۔

(۶)

یہ دن تو رام دیال کی برادری نے جوں توں بسر کیا مگر رات بھر گھر گھر جلسے اور
کمیٹیاں ہوتی رہیں صبح ہی برادری کے نوجوانوں نے پیپل کے ایک درخت کے
نیچے جمع ہوکر چوہدری رام دیال کو گھر سے بلایا۔ وہ مٹی کا گھڑا سر پر رکھکر آدھ میل کے
فاصلہ سے ایک نالے سے پانی لینے چلا تھا۔ مگر برادری نے نوجوانوں کے بلانے پر انکے
پاس گیا۔ اس نے اپنے بھائی بندوں کو بہت جوش میں دیکھا تو اس کا ماتھا ٹھنکا

پوچھا کہ کیا معاملہ ہے ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا کہ دادا ہم تمہارے پیچھے لگ کر بہت خوار اور خراب ہوئے۔ اب ہم زیادہ صبر نہیں کر سکتے۔ یا تو ہمارے لئے پانی کا انتظام کرو۔ ورنہ ..... رام دیال نے پوچھا ورنہ کیا ہوگا۔ دو تین نے بکزبان ہو کر کہا کہ یا تو ہم مسلمان ہو جائینگے یا عیسائی مذہب اختیار کر لینگے +

(۷)

رام دیال یہ سنکر رام رام اور کرشن کرشن کہنے لگا۔ بھائیو! ہندو دہرم بڑا پاک اور پوتر ہے۔ ذرا سی پانی کی تکلیف کے بدلے اسے چھوڑنے کا خیال کرتے ہو۔ مگر کسی نے اسکی بات نہ سنی۔ رام دیال نے اپنی برادری کے لوگوں کو اس طرح ہندو دہرم سے بغاوت کرتے دیکھا تو اس کا دل کانپ اٹھا۔ ہاتھ جوڑ کر کہا میرے عزیز رشتہ دارو! میرے سفید بالوں کی طرف دیکھو میں۔ میری بیوی اور ننھا بچہ تمہارا پانی بھرینگے۔ تم اپنا دہرم نہ چھوڑو۔ اور اگر تم گراوٹ کا شکار ہونے سے نہیں رہ سکتے تو میری ایک بات مانو۔ مجھے مر لینے دو۔ پھر جو تمہاری مرضی ہو کرنا۔ مگر میری زندگی میں میری آنکھوں کے سامنے ہندو دہرم کو نہ چھوڑو۔ یہ صدمہ میرے لئے بہت سخت ہے[۱]۔ بہت کچھ کہنے سننے کے بعد یہ لوگ اس بات پر رضامند ہوئے کہ ہندو دہرم کو تو نہ چھوڑینگے لیکن اس گاؤں میں نہ رہینگے +

(۸)

رام دیال اور اس کا لڑکا دونوں بخار سے بیمار پڑے ہیں۔ بخشی لئی ہفتوں سے آدھ میل کے فاصلے سے گ۔ پانی لاتی ہے۔ اسے یہی دکھ نہیں کہ اسقدر دور سے پانی لانا پڑتا ہے۔ بلکہ یہ بھی رونا ہے کہ بھینسوں اور گھوڑوں کے نہانے و پیشاب کرنے سے یہ پانی بہت گندہ ہو گیا ہے۔ اگر سچ پوچھو تو رام دیال اور اس کے بچہ

---

[۱] یہ محض پرانے خیالات کے باعث تھا۔ ورنہ اسے ہندو دہرم کی حقیقت کا کیا علم تھا۔ (مرتب)

کی بیماری کی وجہ بھی گندہ پانی ہے۔ لکشمی کے پاس جو دس پانچ روپے تھے وہ بھی اُس نے اپنے خاوند اور بچے کی بیماری میں صرف کر دیئے۔ اب وہ گاؤں سے لوگوں کا اناج پیسنے کے لئے لاتی۔ اور اس کی پسائی سے جو دو اڑھائی آنے بچتے۔ اس سے اپنے خاوند اور لڑکے کا علاج کرتی۔ ایک دن وہ کہیں باہر کام کو گئی تھی کہ ایک کتا تھوڑا سا آٹا کھا گیا۔ جب اُسے دینے گئی تو پنڈتانی نے پاؤ بھر آٹا کم ہونے کی وجہ سے اُسے اسقدر گالیاں دیں اور اس طرح جھڑک کر گھر سے نکالا کہ وہ پھر اس محنت مزدوری کی بھی ہمت نہ کر سکی۔

(۹)

رام دیال کے بچے کو بخار چڑھے آج پندرھواں دن ہے۔ گرمی سے اسکی طبیعت گھبرا رہی ہے۔ اس نے لکشمی کو اپنے پاس بلا کر کہا۔ اماں آج میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔ ٹھنڈے پانی کے ایک گھونٹ کے لئے میری روح تڑپ رہی ہے۔ اگر ہو سکے تو مجھے ٹھنڈا پانی پلاؤ۔ لکشمی نے اپنے کلیجے کے ٹکڑے کی طرف دیکھا۔ وہ بخار سے اس قدر نڈھال ہو چکا تھا کہ گویا تنور تپ رہا ہے۔ اسکی حالت دیکھ کر لکشمی کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے اور مٹی کا برتن لے کر کنوئیں کی طرف گئی۔ اس وقت دن کے قریباً بارہ بجے تھے چند ہندو عورتیں کنوئیں کے ایک طرف پانی بھر رہی تھیں دوسری طرف مسلمان سقہ پانی بھر رہا تھا۔ لکشمی نے آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ان عورتوں سے کہا۔ پرمیشور کے لئے میرے مرتے ہوئے بچے کیلئے ٹھنڈے پانی کا ایک گھونٹ دو۔

(۱۰)

ہندو عورتوں نے لکشمی کی یہ بات سنکر کھل کھلا کر ہنسنا شروع کیا۔ ایک

بولی۔ کمبخت۔ بازیگرنی کا دماغ تو دیکھو آسمان پر چڑھ گیا ہے۔ ہم اس کے لئے پانی بھریں۔ اور اس کے برتن میں ڈالیں۔ یہ کہا اور ایک ایک وہاں سے رخصت ہو گئیں۔ لکشمی کے صبر کی باگ ہاتھ سے چھٹ گئی۔ مسلمان سقہ کو اسکی حالت پر رحم آیا۔ بولا۔ چودھرانی تم منظور نہ کروگی ورنہ میں ایک گھونٹ کیا تمہارے گھر کے تمام برتن ٹھنڈے پانی سے بھردوں۔ لکشمی نے سقہ کی طرف دیکھا۔ اور کہا بھائی یہ دھرم کا معاملہ ہے اچھا میں دوسرے گاؤں جاتی ہوں۔ شائد وہاں سے پانی مل جائے۔ لکشمی وہاں سے روانہ ہوکر ڈھائی میل کے فاصلہ پر گئی۔ وہاں سے پانی لیا۔ اور واپس لوٹی۔ راستہ میں اسکی طبیعت بُری طرح بیقرار ہوتی جاتی تھی۔ خدایا خیر ہو میرا خاوند اور بچہ اچھے ہوں۔ یہ کہتی ہوئی وہ گھر کی طرف آ رہی تھی۔

(۱۱)

گھر کے اندر آتے ہی لکشمی نے ایک چیخ ماری۔ پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا جان سے پیارا خاوند اور روح سے عزیز بیٹا پانی کے ایک گھونٹ کے لئے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ لکشمی بہت دیر تک بیہوش پڑی رہی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دوسرے گاؤں سے اپنی برادری کے لوگوں کو بُلایا جب وہ آئے اور انہوں نے یہ سُنا کہ چوہدری رام دیال ٹھنڈے پانی کے ایک گھونٹ کے لئے تڑپتا ہُوا مرا ہے تو انکے جوش اور غضب کی کوئی حد نہ رہی۔ انہوں نے اسی وقت مسلمان ہو جانے کا ارادہ کر لیا۔ کہ ہم چوہدری رام دیال کی لاش کو ہندو طریقہ سے نہیں جلائیں گے بلکہ اسے مسلمانی طریقہ سے دفن کرینگے۔ اپنی برادری کے لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر لکشمی نے ان سے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"میرے بچے۔ اور بھائیو۔ جیسا دھرم میں نے اپنی زندگی میں ... کے مطابق اس کا آخری سنسکار کرو۔ اگر تم نے ضد کی تو اسکی روح ... میں تمہیں اس بات کی ہرگز اجازت نہ دوں گی۔"

لکشمی نے اپنی برادری کے بازیگروں کو اجازت دی کہ وہ اس کے مرحوم پتی اور اکلوتے بیٹے کی لاش کو مسلمانی طریقہ سے دفن کریں۔ ... مسلمان بننے سے بھی نہ روک سکی۔ رام دیال اور اس کے اکلوتے بیٹے کی ... کے قریب کھڑے ہو کر انہوں نے ہندو دھرم چھوڑنے اور مسلمان ہونے کا عہد کیا۔ اور اگلے دن سب کے سب ہندو بازیگر مسلمان ہو گئے +

(گورو گھنٹال۔ ۳ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۲۵)

یہی نہیں۔ اور بھی اسی قسم کی بہت سی کہانیاں نقل کی جا سکتی ہیں۔ مگر یہ جاننے کے لئے کہ ہمارے سات کروڑ اچھوت بھائی کتنی تکلیف، مصیبت اور عذاب میں مبتلا ہیں۔ یہ کہانیاں بھی بہت کافی ہیں۔ اور انہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں کو چوہڑے۔ چمار۔ ڈھیڈ۔ بھنگی اور اچھوت بتلایا جاتا ہے ... اونچی ذات والوں کے ہاتھوں کتنا دکھ کتنا اپمان (توہین) اور کتنا شدید عذاب سہہ رہے ہیں اور انکی حالت کس قدر گری ہوئی کس قدر قابل رحم اور افسوسناک ہے۔ اور ان کو قدم قدم پر کس قسم کی بے عزتیوں اور ذلیلوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور کس طرح ہر وقت اور ہر لحظہ نت نئی پریشانیوں اور جانکاہ مصیبتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔

نوٹ: اگر احباب کرام کی خواہش ہوئی تو اس قسم کی اور بھی کہانیاں شائع کی جائینگی (مرتب)

اور یہ جن لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں اور انہی کو اپنا آقا اور مالک سمجھتے ہیں وہ کتنے بے رحم۔ سنگدل اور مہر و محبت سے نا آشنا ہیں۔

اب ایسی حالت میں مسلمانانِ ہند کا فرض نہیں کہ وہ ان دکھی اور ستم رسیدہ لوگوں کی طرف توجہ دیں۔ اور انہیں اس جان گسل اور دلفگار حالت سے نکالیں جن میں وہ بری طرح مبتلا ہیں۔ کیا ملک کی آزادی کی خاطر۔ وطن کی عزت بحال کرنے کی خاطر۔ دنیا اور آخرت سنوارنے کی خاطر۔ خدا اور اسکے رسول کے ارشاد کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر۔ اپنے درجات بلند کروانے کی خاطر۔ خدا کا قرب اور رسولِ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر مسلمان مرد۔ مسلمان بیبیاں اور مسلمان نوجوان۔ ان بے کس اور بے بس۔ لاچار اور بے یار و مددگار لوگوں کی دستگیری نہ کرینگے ؟ کیا ان جاں بلب اور سسکتی روحوں کو اس چشمہ صافی پر لا کر نہ کھڑا کرینگے جو خدا تعالٰے نے اپنے فضل و کرم سے ان کے سپرد کر رکھا ہے۔ کیا دنیا سے غلامی کی جڑ اکھاڑنے والے مساوات کے علمبردار ان کو غلامی کی حالت سے نکالنے کی کوشش نہیں کرینگے ؟

نہیں نہیں۔ ہمیں پوری امید ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے غلامی کی جڑ کاٹنے والوں کی اولاد۔ دنیا میں عدل و مساوات کے پھریرے اڑانیوالوں کی اولاد۔ دنیا میں حریت و آزادی کی لہر چلانے والوں کی اولاد۔ دنیا میں اخوت اور بھائی چارہ قائم کرنے والوں کی اولاد۔ اونچ نیچ اور ذات پات کی تفریق کو مٹانے والوں کی اولاد آج بھی ان لوگوں کی زنجیر غلامی توڑیگی۔ اور اپنے بزرگوں کا نام روشن کرتے ہوئے آج بھی ایک ایک گھر میں حریت و مساوات کے جھنڈے نصب کر دیگی۔ اور جن لوگوں کو نیچ۔ ادنی۔ ذلت اور اچھوت بنا دیا گیا ہے۔ ان کا ہاتھ پکڑ اور گلے لگا کر اسلام کی عالمگیر

برادری کا معزز رکن بنا دیگی، اور خدا کے فضل سے دنیا کو دکھا دیگی۔ کہ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی توحید کے پرستار غلاموں کو آزاد اور محتاجوں کو غنی بنا دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور اپنے وطن کی عزت و توقیر بڑھانے میں بھی کسی سے کم نہیں۔

اس موقع پر ہم چند لفظ ان بے حس، لاپرواہ۔ اور دنیا کی عارضی خوشیوں اور مسرتوں میں ڈوبے ہوئے مسلمانوں سے بھی کہہ دینا چاہتے ہیں جو کہ اچھوتوں کی حالت زار دیکھتے ہوئے بھی ان کے لئے بے چین نہیں ہوتے۔ انکے نالہ و شیون سنکر بھی اپنے دلوں میں کسی قسم کی بیقراری محسوس نہیں کرتے اور نہ اس کام کی طرف توجہ دلائے جانے پر بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ ان لوگوں کو اٹھانا یا ان کا ادھار کرنا ہمارا کام نہیں ان کا ادھار وہی لوگ کریں جنہوں نے انکی حالت بگاڑی اور ان کا جسے رنگ بنا دیا۔ مگر ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اس قسم کی باتیں کہہ کر اس فرض سے قطعاً سبکدوش نہیں ہوسکتے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے اُسکے ہادی مقام پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے اور مادر وطن کی طرف سے انپر عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا حیلہ سازی سے کام لیتے ہوئے یہ کہنا اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا کہ چونکہ ہندوؤں نے ہی اچھوتوں کو تباہی کی غاروں میں ڈالا ہے۔ وہی انہیں اس سے نکالیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس قسم کی باتیں بنانے والوں کا جب کوئی عزیز زخمی ہو جائے تو وہ اس گھائل اور تڑپتے بلکتے کی آہ و زاری پر کان نہ دھرتے ہوئے صرف اس امید پر خاموش بیٹھے رہیں گے۔ کہ حملہ آور خود ہی اسکی مرہم پٹی کر جائے گا۔

اگر وہ اس موقعہ پر سو کام چھوڑ کر بھی اپنے عزیز کی تکلیف کو دور کرنے میں منہمک ہو جائیں گے تو کیا اچھوتوں کی تکالیف اور مصائب کو دور کرنے

نے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ انکی طرف متوجہ ہوں اور جن مصیبتوں اور عذابوں میں وہ مبتلا ہیں ان سے انہیں رہائی دلائیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ ہندو انکی اصلاح کی طرف مائل ہیں۔ اور اس امر کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اچھوتوں کی حالت سدھر جائے۔ اس لئے ہمیں اس معاملہ میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ تو یہ کہنا بھی کسی معقولیت پر مبنی نہیں کیونکہ جس طرح یہ ہموطن ہونے کے ناطہ سے ہندوؤں کے قریبی ہیں اس طرح ہمارے بھی بھائی ہیں۔ اگر وہ ان کی حالت سنوارنے کی طرف مائل ہو رہے ہیں تو یہ بڑی مبارک بات ہے اور ایسے نیک دل لوگوں کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ مگر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی مسلمان اس فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے ساتھ مسلمانوں کا بھی وہی رشتہ ہے جو ہندوؤں کا۔ اور جس طرح ہندوؤں کا فرض ہے کہ وہ انکی حالت سدھاریں اس طرح مسلمانوں پر بھی واجب ہے کہ وہ سو کام چھوڑ کر بھی ان کا اُدھار کریں اور جن مشکلوں اور مصیبتوں میں انہیں ڈالا گیا ہے۔ ان سے مخلصی دلائیں لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ کام ہندوؤں سے نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ قدامت پسند اور پختہ خیال کے ہندو اپنی مذہبی تعلیم کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ چونکہ ان کا مذہب یہی تعلیم دیتا ہے کہ وہ اچھوتوں سے چھوت چھات کریں۔ انہیں اپنے کنوؤں پر نہ چڑھنے دیں۔ اپنے مندروں میں نہ جانے دیں۔ انہیں وید اور شاستروں کی تعلیم سے بے بہرہ رکھیں۔ اور ہمیشہ انہیں اپنا داس بنائے رہیں۔ اس لئے وہ ہندو کہلاتے ہوئے وید شاستروں پر عامل ہوتے ہوئے اپنے آباؤ اجداد کے نمونہ پر چلتے ہوئے کبھی بھی ان کو وہ حقوق نہیں دے

سکتے[۱] جو مسلمان انہیں دے سکتے ہیں، وہ انہیں وہ سہولتیں نہیں بہم پہنچا سکتے جو مسلمان پہنچا سکتے ہیں۔ وہ انہیں ان مصیبتوں او تکلیفوں سے رہائی نہیں دلا سکتے۔ جن سے کہ مسلمان رہائی دلا سکتے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ برہمو سماج ۶۰-۷۰ سال کی مسلسل کوششوں پر بھی کامیاب نہیں ہو سکی۔ آریہ سماج نصف صدی کی لگاتار کوششوں پر بھی کامیاب نہیں ہو سکی۔ ہندو مہا سبھا ۲۰-۲۵ سال کی پیہم کوششوں پر بھی کامیاب نہیں ہو سکی۔ کانگریس دس پندرہ سال کی انتہائی کوششوں پر بھی کامیاب نہیں ہو سکی۔ گاندھی مالوی مونجے اور دوسرے لیڈر بھی ایڑی چوٹی تک کا زور لگانے پر کامیاب نہیں ہو سکے[۲] تو کیا ان مایوس کن حالات میں مسلمانوں کا فرض نہیں کہ اس طرف متوجہ ہوں اور انہیں اسلام کے جھنڈے تلے لا کر قیامت تک کے لئے انہیں ہر قسم کی غلامی اور مشکلات سے آزادی دلا دیں؟

آج سے چند صدیاں پہلے بھی اسلام نے ہی اچھوتوں کی بہت بڑی تعداد کو انسانیت سے لذت آشنا کیا تھا اور انہیں غلامی سے نکال کر رفعت و بلندی پر پہنچایا تھا۔ اسی لئے اب بھی اگر کوئی انکی بپتا دور کر سکتا ہے تو وہ اسلام ہے ان کو انسانی حقوق دلا سکتا ہے تو وہ اسلام ہے۔ ان کو دنیا و آخرت میں

---

[۱] یہ فرضی باتیں نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ خدا تعالیٰ نے چاہا تو ہم ایک دوسرے رسالہ میں جو عنقریب شائع ہوگا۔ ایسے ہندوؤں کے مسلمہ شاستروں سے بہت سے حوالجات نقل کرینگے جو اس امر کا بین ثبوت ہونگے کہ ہندو دھرم کی تعلیم اس امر کی قطعاً اجازت نہیں دیتی کہ اچھوتوں کو اس قسم کے حقوق دیئے جائیں۔ (احمدی مہاجر قادیان)

[۲] ہمارے اس بیان کو تعصب پر محمول نہ کیا جائے کیونکہ یہ جو کچھ کہا ہے۔ واقعات کی بنا پر کہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے دوسرے رسالہ میں خود انہی لوگوں کی خود نوشت تحریروں سے یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچا کر دکھا دینگے (احمدی مہاجر قادیان)

سرخرو اور کامیاب بن سکتا ہے تو وہ اسلام ہے۔ اور یہ صرف ہمارا ہی خیال نہیں خود سمجھدار ہندؤں کا بھی یہی خیال ہے۔ جیسا کہ

ہز ہائینس مہاراجہ صاحب کولہا پور نے آل انڈیا غیر برہمن کانفرنس کی صدارتی تقریر میں فرمایا تھا کہ:۔

"اگر فرزندان اسلام دوسرے مذاہب کے افراد کو کافر و مرتد[1] سمجھتے ہیں تو ہندو بحیثیت مجموعی اپنے ہی ہم مذھبوں کو زندگی کے ذلیل ترین شعبوں میں مصروف کر کے انہیں نفرت و حقارت کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس معاملہ میں ہندؤں کا نقطۂ نظر یقیناً مسلمانوں کے مقابلہ میں نہایت پست ہے۔ کیونکہ ہندؤں میں اچھوت قوموں کی نجات کا کوئی رستہ نہیں۔ اور اسلام تمام غیر مسلموں کے لئے اپنی آغوش مساوات کھولے ہوئے ہے۔"

(اخبار زمیندار ۷ فروری سنہ ۲۶ء صہ ۲)

رائے بہادر چوہدری چھوٹو رام ممبر کونسل پنجاب نے "آریہ سماج اور اچھوت ادھار" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جس میں یہ بھی فرمایا کہ

"دنیا بھر کے مذاہب میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو تمام انسانوں کو مساوات کا درجہ دیتا ہے۔ اور مذہبی میدان میں کسی کو چھوٹا یا بڑا نہیں سمجھتا۔ پنجاب اسلام کا گڑھ ہے اور اسلام نے ہی اچھوتوں کے سوال پر بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر اپنا اثر کیا ہے۔ مسلمانوں میں بیشک مسلی اور موچی لوگ موجود ہیں جو بھنگیوں اور جوتے بنانے کا کام کرتے ہیں لیکن اسلام کی ڈیموکریٹک سپرٹ میں انہیں بھی مذھبی دنیا میں مساوی حقوق سے انکار نہیں کیا جاتا۔"

(الفضل ۱۲ مئی سنہ ۳۲ء صہ ۳)

[1] کافر و مرتد کوئی گالی نہیں۔ کافر کے معنے منکر۔ اور مرتد کے معنے اسلام ترک کر دینے والے کے ہیں (احمدی)

[illegible]

اچھوتوں کی لعنت کو دور کرنے کی طاقت اسلام اور صرف اسلام میں ہے اسکے علاوہ اور کوئی مذہب اس لعنت کو دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا [illegible]

ہمیں توقع ہے کہ نہ صرف مسلمان ہی اپنا [illegible] فرض [illegible] اس ضروری [illegible] کام پر فوری توجہ کرینگے بلکہ ہمارے اچھوت بھائی بھی [illegible] دینوی نجات کی خاطر اسلام کی [illegible] میں آنے کیلئے [illegible] اسلامی برادری میں شامل ہو جائینگے۔ [illegible] ان کی مشکلات دور [illegible] اپنا نصیب ہوگا۔

ضروری اطلاع

عام پبلک کو معلوم ہو [illegible] کہ اچھوتوں کے متعلق پوری پوری واقفیت بہم پہنچانے کیلئے یہ سلسلہ [illegible] جس کا پہلا حصہ آپکے ہاتھ میں ہے۔ باقی پانچ حصے بھی انشاءاللہ عنقریب شائع کردئے جائینگے۔ امید ہے کہ اس رسالہ کو مطالعہ کرنیوالے حضرات باقی ماندہ حصص بھی ضرور خرید کر پڑھینگے تاکہ اچھوتوں کے متعلق ان کی معلومات مکمل ہو سکیں۔

دوسرا حصہ۔ [illegible] کی قابل رحم حالت کا صحیح [illegible] ایک [illegible] شامل ہیں اسکے علاوہ [illegible] فتوے درج کئے گئے ہیں جنہوں [illegible] نے یہی اعلان کیا ہے کہ ہندو [illegible] اونچی ذات والے ان اچھوتوں کے ساتھ [illegible] نہیں۔ اور ان سے چھوت چھات ضروری ہے [illegible] سے بتلا دیا گیا ہے کہ اس مظلوم گروہ کی نجات سوائے اسلام کے اور کسی کے بس کی بات نہیں۔

تیسرا حصہ۔ [illegible] شاستروں کے قریباً تین سو حوالجات نقل کرتے ہوئے بتلایا گیا ہے کہ [illegible] کا اچھوتوں کے ساتھ غیر مساویانہ سلوک کسی [illegible] باعث نہیں بلکہ [illegible] ہندو دھرم کے وہ احکام اور قوانین ہیں جو اچھوتوں کو عام انسانی حقوق سے محروم [illegible] اس کے ساتھ یہ بھی

بتلایا جائیگا کہ بانی آریہ سماج کی تعلیم اور عملی نمونہ بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ قدامت پسند ہندو [illegible] ہو سکتا ہے۔ اور یہ کہ اچھوتوں کی نجات آریہ سماج کے ذریعہ بھی ناممکن ہے۔

چوتھا حصہ۔ اس میں یہ بتلایا جائیگا کہ بہت عرصہ سے اچھوت ادہار کا دعویٰ کرنا [illegible] سے [illegible] جاتا ہے۔ [illegible] یہ بھی بتلایا جائیگا کہ برہمو سماج، آریہ سماج، کانگرس، سنگٹھن [illegible] اور دوسری اچھوت ادہار سوسائٹیاں سالہا سال کی تگ و دو اور کوشش کے باوجود اچھوتوں کو ذلت سے [illegible] کرنے میں ناکام رہی ہیں اور اس ناکامی کا اقبال [illegible] ایسے [illegible] کی زبان و قلم سے کروایا جائیگا۔ اور بتلایا جائیگا کہ اچھوتوں کی نجات اسلام کے سوا اور کسی سے ممکن نہیں۔

پانچواں حصہ۔ اس حصہ میں اچھوتوں کی تاریخ بیان ہوگی اور بتلایا جائیگا کہ یہ لوگ جو کبھی اس قدر [illegible] تھے [illegible] اس [illegible] حالت کو پہنچے۔

چھٹا حصہ۔ اس حصہ میں واقعات اور خود غیر مسلموں کی تحریروں سے ثابت کیا جائیگا کہ دنیا میں صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے حقیقی مساوات کا عملی نمونہ پیش کیا۔ اور یہی وہ مذہب ہے جو آج بھی [illegible] اچھوتوں [illegible] کی ترقی کا باعث ہو سکتا ہے۔ [illegible]

اس وقت اچھوت اسلام قبول کرنے ہی سے [illegible] ہو سکتے ہیں۔

[illegible] تمام [illegible] اس [illegible] کتاب [illegible] اس سلسلہ تالیف کی [illegible] اس کی اشاعت میں زیادہ سے زیادہ [illegible] تاکہ خدا کی [illegible] مخلوق [illegible] اس [illegible] ہو سکے [illegible] اشاعت [illegible] کی [illegible] گئی ہے تاکہ دوست اس کی اشاعت میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے سکیں۔ [illegible]

[illegible]

ملنے کا پتہ:- بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

[illegible] قادیان [illegible] باہتمام چوہدری اللہ بخش پرنٹر چھپا [illegible]